ماہنامہ

سفینۂ بخشش

کراچی







الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ

سرکار حجۃ الاسلام حضرت علامہ مفتی محمد حامد رضا خان قادری رضوی

حضور تاج الشریعہ حضرت علامہ مفتی محمد اختر رضا خان قادری ازہری

ماہی سفینۂ بخشش کراچی

رجب / شعبان / رمضان ۱۴۳۰ھ

جولائی / اگست / ستمبر ۲۰۰۹ء

قیمت: فی شمارہ -/15 زرِ سالانہ -/150

سرپرست: محمد یونس شاکر القادری رضوی

مدیر: محمد رحیم داد قادری رضوی

نائب مدیر: محمد دانش احمد اختر القادری

مجلس ادارت: خالد مسعود اختر القادری، فضل احمد اختر القادری، محمد کاشف عالم قادری، عبد القدیر اختر القادری

ترسیلات: محمد عمران شاکر اختر القادری

اشتہارات: محمد عمران قادری

فہرست

جمعیت اشاعت رضائے مصطفیٰ نے دار المطالعہ باغ رضا، جامع مسجد دار السلام، اورنگ آباد، ناظم آباد، کراچی سے شائع کیا

نوٹ: مضمون نگار کی ہر رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

انٹرنیٹ پر ملاحظہ کیجئے
www.alahazrat.net
Email: bagherazai@yahoo.com
0333-2296205 0334-3247192

رابطہ کے لئے: 163/12، نزد جامع مسجد دار السلام، اورنگ آباد ناظم آباد، کراچی۔

ادارہ

اداریہ

بِاَیِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ

اسلام کامل اور اکمل دین ہے۔اس کے اصول وقوانین ہر شعبۂ زندگی کو محیط ہیں۔یہ عبادات ومعاملات کا مکمل نظام وضابطہ ہے۔اسلام نہ صرف ہماری مادی زندگی کا راہنما ہے، بلکہ روحانی حیات کا بھی پیشوا ہے۔اسلام ہی وہ دین ہے جس کے آگے سائنس کی موشگافیاں بھی دم توڑ دیتی ہیں اور روحانی مسائل کا حل بھی یہیں ملتا ہے۔اسلام کا عائلی نظام اور خاندان کا تصور وہ طاقتور عوامل ہیں جو انسان کو انسان بنائے رکھتے ہیں جانور نہیں بننے دیتے۔اسلام ہی وہ مضبوط پہرے فراہم کرتا ہے جہاں عفت وعصمت کے نازک آبگینے ٹوٹنے نہیں پاتے۔

اولاد کی تربیت عورت کی مرہون منت ہے، معاشرہ کی تشکیل عورت ہی کرتی ہے، انسانیت کی تعمیر عورت کے ذمہ ہے اور اولاد کی تربیت چادر اور چار دیواری کی ''قید'' ہی میں ممکن ہے، باپردہ عورت ہی پاکیزہ معاشرہ تشکیل دے سکتی ہے، شرم وحیا کا پیکر عورت ہی انسانیت کی تعمیر کرسکتی ہے، جہاں یہ ''قید وبند'' نہ ہوں وہاں انسانوں اور جانوروں میں فرق نہیں رہتا۔پردہ یا حجاب ایک ایسا اسلامی قانون ہے جو روحانی، اخلاقی، معاشرتی، جسمانی وطبعی اغراض ومقاصد کے پیش نظر خالق کائنات کا عطا کردہ ہے۔یہی وہ مقدس قانون ہے جو معاشرہ میں فحاشی وعریانی، بے راہ روی اور بدکاری کی روک تھام کرتا ہے، چادر اور چار دیواری عورت کو عزت اور تحفظ فراہم کرتے ہیں، اسے ماں، بہن، بیوی اور بیٹی کا مرتبہ دیتے ہیں۔

روزنامہ جنگ ۱۶ر نومبر ۱۹۹۵ء کی ایک خبر ملاحظہ کیجئے: ''اس وقت مہذب دنیا میں ہر ۴۵ر سیکنڈ کے بعد ایک عورت کو بے آبرو کردیا جاتا ہے۔'' یہ آزادیٔ نسواں کی دلفریب تصویر کا دوسرا رخ ہے اور پھر ۱۹۹۵ء سے آج ۲۰۰۹ء تک یہ تعداد کہاں تک پہنچ چکی ہوگی قارئین اندازہ کرسکتے ہیں۔نام نہاد حقوق نے عورت کو تجارت کا ذریعہ بنادیا گیا ہے، تہذیب وتمدن کے نام پر عورت کا استحصال ہو رہا ہے، ثقافت کے نام پر کثافت پھیلائی جارہی ہے۔ان ''تاریک اجالوں'' سے نجات اسلام ہی کے دامن پناہ میں ملے گی۔عزت وناموس، عفت وعصمت اگر کہیں ملے گی تو شرم وحیا اور پردہ وحجاب ہی میں ملے گی ورنہ نہیں۔بقول حضرت خلیل ملت: ''صرف اسلام ہی عدل گستریاں اور شریعت اسلامیہ ہی کی جلوہ سامانیاں ہیں، جن کے ظل رحمت اور سایۂ عاطفت میں پناہ لینے والی عورتیں اپنی عزت وآبرو اور عصمت وناموس کو جابر وظالم کی دستبرد سے بچاسکتی ہیں۔قرآن کریم کی قندیل فروزاں کی تابانیوں میں ہر ہوسناک کا پنجہ مروڑ سکتی ہیں اور بوالہوس کی ہوسناکیوں کو خاک میں ملاسکتی ہیں۔اسلام ان کے ساتھ ہے، حق کا علمبردار، حق کا حمایتی، حق پرستوں کا یاور ومددگار اور حق کوشوں کا ساتھی۔'' (چادر اور چار دیواری، از: مفتی محمد خلیل خان برکاتی)

مخالفین حجاب تحریر وتقریر اور پریس ومیڈیا سے لیکر ریاستی قوانین اور جنگ وجدال تک ہر جائز وناجائز حربہ استعمال کررہے ہیں۔عالمی سطح پر حجاب کے خلاف چلنے والی تحریک نے جہاں بے شمار حادثات کو جنم دیا وہیں ایک دل خراش حادثہ یکم جولائی ۲۰۰۹ء کو جرمنی کے شہر ''دریسدن'' کی عدالت میں پیش آیا۔جب صرف اسکارف پہننے کے جرم میں ایک مسلمان خاتون ''مروا الشربینی'' کو کمرۂ عدالت میں قتل کردیا گیا۔

مروا الشربینی، کا تعلق اسکندریہ، مصر سے ہے۔وہ ایک ذہین طالبہ تھی، اپنے کالج کی بہترین مقررہ بھی تھی، مصر میں خواتین کی والی بال کی چیمپئن بھی رہ چکی تھی لیکن حجاب کی پابندی اس کی زندگی کا لازمی جز تھا۔گریجویشن کے بعد اس نے کیمسٹ کے شعبہ کو اپنایا۔مروہ کی شادی ایک جینٹک انجینئر علوی العکاظ سے ہوئی، اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک بیٹے (مصطفیٰ) سے نوازا۔عکاظ ایک مصری یونیورسٹی میں لیکچرار تھا، بعد ازاں وہ پی ایچ ڈی کرنے کیلئے اپنی بیوی اور بیٹے کے ہمراہ جرمنی منتقل ہوگیا۔جرمنی میں ان کا پڑوسی ایک انتہا پسند اسلام دشمن ''الیگزینڈر ایلکس'' تھا۔یہ شخص ۲۰۰۳ء میں روس سے برلن اور پھر دریسدن منتقل ہوا اور جرمنی کی شہریت حاصل کی۔جرمن پولیس ریکارڈ کے مطابق ''ایلکس'' مختلف ''انٹرنیٹ

بلاگرز'' پر مسلمانوں، اسلام اور حجاب کے خلاف زہر اگلتا رہا ہے۔ اپنے پڑوس میں ایک باحجاب مسلمان خاتون کا رہنا پسند نہیں تھا۔ جس کا اظہار وہ مختلف انداز سے کرتا رہا۔ اگست ۲۰۰۸ء میں جب ''مروا'' اپنے ۳ رسالہ بیٹے کو گھر کے قریب پارک میں جھولا جھلا رہی تھی ''ایلکس'' نے اسے انتہا پسند، دہشت گرد، کتیا اور اسلامی طوائف (Islamic whore) کہا۔ اس متعصب اور توہین آمیز رویہ پر ''مروا'' اور اس کے شوہر نے عدالت سے رجوع کیا۔ ''ایلکس'' نے عدالت میں بھی اسلام اور مسلمانوں سے متعلق توہین آمیز بیان دیا جس پر عدالت نے اس پر صرف ۸۰ ۷ ریورو جرمانہ عائد کیا۔ ''ایلکس'' نے عدالتی فیصلہ کے خلاف اعلیٰ عدالت میں اپیل دائر کی۔ یکم جنوری ۲۰۰۹ء کو عدالتی کارروائی کے دوران جب عدالت نے اپنا فیصلہ سنانا شروع کیا ''ایلکس'' نے بھری عدالت میں ''مروا'' پر چاقو کے ۱۸ روار کر کے بے گناہ خاتون کو شہید کردیا۔ ''مروا'' کو بچانے کے لئے آنے والے اس کے شوہر ''عکاظ'' کے سینے اور پیٹ پر بھی ۲ رشدید وار کیئے۔ اس موقع پر عدالت میں موجود پولیس اہلکار خاموش تماشائی بنے رہے لیکن ''عکاظ'' کی ٹانگوں پر اس لئے فائر کیئے کہ جب وہ اپنی بیوی کو بچانے آیا۔

اس واقعہ سے جہاں جرمن عدالتوں میں سیکورٹی سسٹم اور جرمن پولیس کی ''فرض شناسی'' ثابت ہوئی وہیں بے شمار سوالات بھی پیدا ہوئے۔ ''مروا'' مصری شہری تھی لیکن مصری حکومت نے اس معاملہ کسی قسم کی دلچسپی کا مظاہرہ نہیں کیا۔ بلکہ ایران کی جانب سے جاری کردہ ''شہیدۃ الحجاب'' کے یادگاری ٹکٹ پر بھی پابندی عائد کردی ہے۔ اس سے مصری حکمرانوں کی ''ملی غیرت'' کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ دوسری طرف توہین رسالت ﷺ کو ''آزادئ اظہار رائے'' قرار دینے والی جرمن حکومت نے ''مروا'' کے قتل کی تفصیلات اور تصاویر کی اشاعت پر پابندی عائد کر کے ''غیر جانبداری'' اور ''آزادئ اظہار رائے'' کی ''بے مثال روایت'' قائم کی ہے۔

افسوسناک امر یہ بھی ہے کہ اس مظلوم کے انتہائی سفاکانہ قتل کی عالمی نہ ہی ملکی میڈیا نے کوئی کوریج کی اور نہ ہی خواتین کے حقوق اور آزادئ نسواں کا رونا رونے والی NGO's ہی نے کوئی ردعمل ظاہر کیا۔ اس حوالے سے معروف صحافی ''اوریا مقبول جان'' کے کالم سے ایک اقتباس ملاحظہ کیجئے:

''آج اس واقعہ کو گزرے تقریباً 15 رروز ہوچکے ہیں۔ وہ اخبارات اور ٹی وی چینل جو اس ملک میں مائیکل جیکسن کی آخری رسومات براہ راست دکھاتے ہوں، فرانس کے فیشن شو سے لے کر بھارت کے فلمی ایوارڈوں کے لچر اور بے ہودہ ڈانس براہ راست نشر کرتے ہوں۔ جن کے ہاں کسی ہالی وڈ یا بالی وڈ کی اداکارہ کی مستیاں، بے وفائیاں، اور چوری چھپے آشنائیاں خبروں میں ہیڈ لائن کا موضوع بنتی رہتی ہوں۔ جہاں اخبارات اور رسائل میں دنیا بھر سے فیشن، فلم، ٹی وی، کھیل اور دیگر شعبوں کی چسکے دار خبریں رنگین صفحات کی زینت بنتی ہوں۔ اس سارے میڈیا میں نہ اس خاتون کا قتل کوئی واقعہ تھا اور نہ ایسا سانحہ یا المیہ تھا جس پر کسی کا ضمیر جاگے، آنکھ سے آنسو چھلک پڑیں، یا قلم لکھنے کو بے قرار ہوجائے۔ ہم جس تشدد، دہشت گردی اور تعصب کی زد میں ہیں اس میں ہماری آواز صدا بصحرا ہے۔ ہمارے آنسو ہمارے اپنے ہی دامن میں گر کر خشک ہوجاتے ہیں اور ہمارے دکھ وہ بلائیں ہیں جو ہمارے آنگنوں میں اتری ہوئی ہیں۔ مجھے کوئی حیرت نہیں ہوگی جب انسانی حقوق اور حقوق نسواں کی باوقار خواتین عالمی یوم خواتین پر سیمینار کریں گی، واک کا اہتمام ہوگا، دنیا بھر میں عورتوں پر تشدد کے اعداد و شمار جاری ہوں گے، یہ ساری فیشن زدہ خواتین مدرز ڈے (Mother's Day) بھی منائیں گی، بچوں کے حقوق کا دن بھی منایا جائیگا۔ لیکن کوئی اس 3 رسالہ بچے کے کرب اور 26 رسالہ مروا کے پر تشدد قتل کو یاد نہیں کریگا۔''

کل بروز قیامت اگر اس بے گناہ نے مسلم حکمرانوں کا گریبان پکڑ کر سوال کیا کہ بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَت؟ تو ہے کوئی جواب حکمرانوں کے پاس؟

یا اللہ! ہمیں وہ حکمراں عطا فرما جنھیں ملت کا احساس ہو، رعایا کی فکر، یا اللہ! ہمیں دینی غیرت اور ملی حمیت رکھنے والے حکمراں عطا فرما۔ آمین

بہار قرآن

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان قادری علیہ الرحمہ

ختم نبوت اجماعی عقیدہ

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا۝ [الاحزاب:۴۰]

ترجمہ: محمد (ﷺ) تمہارے مردوں میں کسی کے باپ نہیں ہاں اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں میں پچھلے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

حضور پر نور خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعلیہم اجمعین کا خاتم یعنی بعثت میں آخر جمیع انبیاء و مرسلین بلا تاویل و بلا تخصیص ہونا ضروریات دین سے ہے جو اس کا منکر ہو یا اس میں ادنیٰ شک و شبہ کو بھی راہ دے کافر مرتد ملعون۔

آیۂ کریمہ: ''وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ'' و حدیث متواتر: ''لا نبی بعدی'' سے تمام امت مرحومہ نے سلفاً وخلفاً یہی معنی سمجھے کہ حضور اقدس ﷺ بلا تخصیص تمام انبیاء میں آخری نبی ہوئے، حضور کیساتھ یا حضور کے بعد قیام قیامت تک کسی کو نبوت ملنی محال ہے۔

فتاوی یتیمۃ الدہر والاشباہ والنظائر و فتاوی عالمگیریہ وغیرہا میں ہے: جو شخص یہ نہ جانے کہ محمد ﷺ تمام انبیاء میں سب سے پچھلے نبی ہیں وہ مسلمان نہیں کہ حضور ﷺ کا آخر الانبیاء ہونا ضروریات دین سے ہے۔

شفا شریف (از) امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میں ہے: جو ہمارے نبی ﷺ کے زمانہ میں خواہ حضور کے بعد کسی کی نبوت کا ادعا کرے کافر ہے (الی قولہ) یہ سب نبی کریم ﷺ کی تکذیب کرنے والے ہیں کہ نبی ﷺ نے خبر دی کہ: وہ خاتم النبیین ہیں اور ان کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ خبر دی کہ: حضور خاتم النبیین ہیں اور ان کی رسالت تمام لوگوں کو عام ہے۔ اور امت نے اجماع کیا ہے کہ یہ آیات و احادیث اپنے ظاہر پر ہیں جو کچھ ان سے مفہوم ہوتا ہے وہی خدا اور رسول کی مراد ہے نہ ان میں کوئی تاویل ہے نہ کچھ تخصیص تو جو لوگ اس کے خلاف کریں وہ بحکم اجماع امت و بحکم قرآن و حدیث سب یقیناً کافر ہیں۔

امام حجۃ الاسلام غزالی قدس سرہ العالی ''کتاب الاقتصاد'' میں فرماتے ہیں: تمام امت مرحومہ نے لفظ خاتم النبیین سے یہی سمجھا ہے وہ بتاتا ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے بعد کبھی کوئی نبی نہ ہوگا، حضور اقدس ﷺ کے بعد کوئی رسول نہ ہوگا اور تمام امت نے یہی مانا ہے کہ اس میں اصلاً کوئی تاویل یا تخصیص نہیں، تو جو شخص لفظ ''خاتم النبیین'' میں ''النبیین'' کو اپنے عموم و استغراق پر نہ مانے بلکہ اسے کسی تخصیص کی طرف پھیرے اس کی بات مجنون کی بک یا سرسامی کی بہک ہے۔ اسے کافر کہنے سے کچھ ممانعت نہیں کہ اس نے نص قرآنی کو جھٹلایا جس کے بارے میں امت کا اجماع ہے کہ اس میں نہ کوئی تاویل ہے نہ تخصیص۔

عارف باللہ سیدی عبد الغنی نابلسی قدس سرہ القدسی ''شرح الفرائد'' میں فرماتے ہیں: ہمارے نبی ﷺ کے ساتھ یا بعد کسی کو نبوت ملنی جائز ماننا تکذیب قرآن کو مستلزم ہے کہ قرآن کریم تصریح فرما چکا ہے کہ حضور اقدس ﷺ خاتم النبیین و آخر المرسلین ہیں، اور حدیث میں فرمایا: میں پچھلا نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں، اور تمام امت کا اجماع ہے کہ یہ کلام اپنے ظاہر پر ہے یعنی عموم و استغراق بلا تاویل و تخصیص، اور یہ ان مشہور مسئلوں سے ہے جن کے سبب ہم اہل اسلام نے کافر کہا فلاسفہ کو، اللہ تعالیٰ ان پر لعنت کرے۔ امام علامہ شہاب الدین فضل اللہ بن حسین تورپشتی حنفی کتاب ''المعتمد فی المعتقد'' میں فرماتے ہیں: بحمد اللہ تعالیٰ یہ مسئلہ اہل اسلام کے ہاں اتنا واضح اور آشکار ہے کہ اسے بیان کرنے کی ضرورت ہی نہیں، اللہ تعالیٰ نے خود اطلاع فرمادی ہے کہ: آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔ اگر کوئی شخص اس کا منکر ہے تو وہ اصلاً آپکی نبوت کا معتقد نہیں کیونکہ اگر آپ کی رسالت کو تسلیم کرتا تو جو کچھ آپ نے بتایا ہے اس کو حق جانتا جس طرح آپ کی رسالت و نبوت تواتر سے ثابت ہے اسی طرح یہ بھی تواتر سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ تمام انبیاء کے آخر میں تشریف لائے ہیں اور اب تا قیامت آپ کے بعد کوئی نبی نہیں

آئے گا، جس کو اس بارے میں شک ہے اسے پہلی بات کے بارے میں شک ہوگا، صرف وہی شخص کافر نہیں جو یہ کہے کہ آپ کے بعد نبی تھا یا ہے یا ہوگا بلکہ وہ بھی کافر ہے جو آپ کے بعد کسی نبی کی آمد کو ممکن تصور کرے، خاتم الانبیاء ﷺ پر ایمان درست ہونے کی شرط ہی یہ ہے۔

بالجملہ آیۂ کریمہ: '' وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ '' مثل حدیث متواتر: ''لا نبی بعدی '' قطعاً عام اور اس میں مراد استغراق تام اور اس میں کسی قسم کی تاویل و تخصیص نہ ہونے پر اجماع امت خیر الانام علیہ وعلیہم الصلوۃ والسلام، یہ ضروریات دین سے ہے اور ضروریات دین میں کوئی تاویل یا اس کے عموم میں کچھ قیل وقال اصلاً مسموع نہیں، جیسے آج کل (۱۳۲۶ھ) دجال قادیانی بک رہا ہے کہ: خاتم النبیین سے ختم نبوت شریعت جدیدہ مراد ہے اور حضور کے بعد کوئی نبی اسی شریعتِ مطہرہ کا مروج وتابع ہوکر آئے کچھ حرج نہیں۔ اور وہ خبیث اس سے اپنی نبوت جمانا چاہتا ہے، یا ایک اور دجال نے کہا تھا کہ: تقدم وتاخر زمانہ میں کچھ فضیلت نہیں، خاتم بمعنی آخر لینا خیال جہال ہے، بلکہ خاتم النبیین بمعنی نبی بالذات ہے۔ اور اسی مضمونِ ملعون کو دجال اول نے یوں ادا کیا کہ: خاتم النبیین بمعنی افضل النبیین ہے۔ ایک اور مرتد نے لکھا: خاتم النبیین ہونا حضرت رسالت ﷺ کا بہ نسبت اس سلسلہ محدودہ کے ہے نہ بہ نسبت جمیع سلاسل عوالم کے، پس اور مخلوقات کا اور زمینوں میں نبی ہونا ہرگز منافی خاتم النبیین کے نہیں، جموع محلے باللام امثال اس مقام پر مخصوص ہوتی کیلئے ہو، اور بر تقدیر تسلیم استغراق جائز ہے کہ استغراق عرفی کیلئے ہو ہیں۔ چند اور خبیثوں نے لکھا: الف لام خاتم النبیین میں جائز ہے کہ عہد اور بر تقدیر حقیقی جائز ہے کہ مخصوص البعض ہو۔ اور یہ بھی کہ: عام کے قطعی ہونے میں بڑا اختلاف ہے کہ اکثر علما ظنی ہونے کے قائل ہیں۔ ان شیاطین سے بڑھ کر اور بعض ابلیسیوں نے لکھا کہ: اہل اسلام کے بعض فرقے ختم نبوت کے قائل ہی نہیں اور بعض قائل ختم نبوت تشریعی کے ہیں نہ مطلق نبوت کے۔ دیگر کفریات ملعونہ اور ارتداد جو ابلیس کی نجاستوں اور جھوٹ کے پلیدوں کو متضمن ہے اللہ تعالیٰ کی اس کے قائل پر لعنت ہو اور اسے قبول کرنے والے کو اللہ تعالیٰ برباد فرمائے۔

یہ سب تاویل رکیک ہیں یا عموم واستغراق ''النبیین'' میں تشویش وتشکیک، سب کفر صریح وارتداد قبیح، اللہ ورسول نے مطلقاً نفی نبوت تازہ فرمائی، شریعت جدیدہ وغیرہا کی کوئی قید کہیں نہ لگائی، اور صراحۃً خاتم بمعنی آخر بتایا، متواتر حدیثوں میں اس کا بیان آیا اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے اب تک تمام امت مرحومہ نے اسی معنی ظاہر ومتبادر وعموم واستغراق حقیقی تام پر اجماع کیا اور اسی بنا پر سلفاً وخلفاً ائمہ مذاہب نے نبی ﷺ کے بعد ہر مدعی نبوت کو کافر کہا، کتب احادیث و تفسیر وعقائد وفقہ ان کے بیانوں سے گونج رہی ہیں۔

......☆ صدقۂ جاریہ ☆......

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: مومن جب انتقال کرتا ہے تو اس کا عمل ختم ہو جاتا ہے مگر سات (۷) چیزوں کا ثواب اس کو مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے۔

۱ ☆ کسی کو علم دین سکھایا تو اس کو برابر ثواب ملتا رہے گا جب تک وہ علم دنیا میں جاری رہیگا۔
۲ ☆ نیک اولاد، جو اس کے حق میں دعا کرتی رہے۔
۳ ☆ قرآن شریف چھوڑ گیا ہو۔
۴ ☆ مسجد بنوائی ہو۔
۵ ☆ مسافروں کے آرام کے لئے مسافر خانہ بنوایا ہو۔
۶ ☆ کنواں یا نہر وغیرہ کھدوائی ہو۔
۷ ☆ اپنی زندگی میں صدقہ دیا ہو۔

تو یہ چیزیں جب تک موجود رہیں گی اس کو ثواب ملتا رہیگا۔ [شرح الصدور]



بہارِ حدیث

علامہ سید سعادت علی قادری



للصائم فرحتان ،فرحة عند فطرة و فرحة عند لقاء ربه [مشکوۃ شریف]

ترجمہ: روزے دار کو دو خوشیاں نصیب ہوتی ہیں ایک تو افطار کے وقت اور دوسری اپنے رب سے ملتے وقت نصیب ہوگی۔

حضرت سلمان فارسی ﷛ بیان کرتے ہیں کہ آخر شعبان میں نبی کریم ﷺ نے صحابہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: اے لوگو! تم پر عظمت والا مہینہ سایہ کر رہا ہے یہ مہینہ برکت والا ہے، جس میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے یہ وہ مہینہ ہے جس کے روزے اللہ نے فرض کیے اور جس کی راتوں کا قیام نفل بنایا، جو اس مہینہ میں کسی نفل نیکی سے اللہ کا قرب حاصل کرنا چاہے تو اسے فرض ادا کرنے کے برابر ثواب ملے گا اور جس نے اس مہینہ میں ایک فرض ادا کیا، تو اسے دوسرے مہینوں کے ستر فرضوں کے برابر ثواب ہوگا۔ یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے۔ یہ آپس میں ہمدردی کا مہینہ ہے یہ وہ مہینہ ہے جس میں مسلمانوں کا رزق بڑھا دیا جاتا ہے جو اس مہینہ میں کسی روزے دار کو افطار کرائے تو اس کے گناہوں کی بخشش ہوگی اور آگ سے اس کی گردن آزاد ہو جائیگی، اور اس کو روزے دار کا سا ثواب ملے گا، روزے دار کے ثواب میں کمی کے بغیر، (حضرت سلمان فرماتے ہیں) ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! ہم میں سے ہر شخص کے پاس روزہ افطار کرانے کا انتظام نہیں، تو حضور ﷺ نے فرمایا: اللہ یہ ثواب اس شخص کو بھی دیگا جو دودھ کے ایک گھونٹ، یا کھجور، یا گھونٹ بھر پانی سے کسی کو افطار کرائے اور جس نے روزے دار کو پیٹ بھر کھانا کھلایا اللہ اسے قیامت کے دن وہ پانی پلائے گا جس کے بعد جنت میں جانے تک وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ یہ وہ مہینہ ہے جس کے اول میں رحمت بیچ میں بخشش اور آخر میں آگ سے آزادی ہے اور جو اس مہینہ میں اپنے غلام (ملازم) سے نرمی کریگا تو اللہ اسے بخش دیگا اور آگ سے آزاد کر دیگا۔

ہمارے آقا ﷺ کا یہ خطبہ رمضان کی عظمت اور برکت کو سمجھنے کیلئے واضح اور کافی ہے، غور فرمایئے، کہ آپ نے اس مہینہ کے آنے کی خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ: تم پر ایک عظیم مہینہ سایہ کرنے والا ہے یعنی رمضان ایک ایسا سایہ دار درخت ہے کہ جو مسلمان بھی اس کے نیچے تھکا ہارا آتا ہے اس کو یہ سکون بخشتا ہے، دنیا اور آخرت کے عذاب سے بچا لیتا ہے، حقیقت یہی ہے کہ روزہ رکھنے والا اگرچہ دن بھر بھوکا پیاسا رہتا ہے رات کو تراویح ادا کرتا ہے لیکن اس کے باوجود اسے ایک خاص فرحت سکون اور روحانی سرور حاصل ہوتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: روزے دار کو دو خوشیاں نصیب ہوتی ہیں ایک تو افطار کے وقت اور دوسری اپنے رب سے ملتے وقت نصیب ہوگی۔ جب مسلمان افطار کرتا ہے تو اس کی خوشی اس کے چہرے سے ظاہر ہونے لگتی ہے، سکون ملتا ہے، کیسا سرور حاصل ہوتا ہے! اس کا صحیح اندازہ صرف روزے دار ہی کو ہوتا ہے۔ روزہ پورا ہونے اور اس عظیم عبادت کے ادا کرنے میں کامیابی پر خوشی سے دل جھوم اٹھتا ہے۔ اور دوسری خوشی جو خدا کے دربار میں حاضری کے وقت نصیب ہوگی، اس کو ہم اپنے لفظوں میں کیسے بیان کر سکتے ہیں؟ بس اللہ ہمارے روزے قبول کرے تو ہمیں یقین ہے کہ پھر قیامت کے دن ہمارا رب ہم سے خوش ہو کر یہی فرمائے گا: اے بندے، جو میں نے کہا وہ تو نے دنیا میں مجھے راضی کرنے کیلئے کیا، تو اب میں تجھ سے راضی ہوں اور اب یہاں جو تو کہے گا وہ میں کروں گا۔

نبی کریم ﷺ نے اپنے خطبہ میں ہمیں بتایا کہ یہ مہینہ ایسی رحمتیں برساتا آیا ہے کہ اس مہینہ میں ایک نفلی نیکی کرنے والا اتنا ثواب پاتا ہے جتنا عام دنوں میں فرض ادا کرنے پر ملتا ہے اور اس مہینہ میں ایک فرض عبادت کرنے والے کو اتنا ثواب دیا جاتا ہے جتنا عام دنوں میں ستر (٧٠) فرض ادا کرنے پر دیا جاتا ہے۔ پس آج ہم جس قدر بھی خدا کا شکر ادا کریں کم ہے۔ .... بقیہ صفحے ٧ پر ملاحظہ فرمائیں۔

نعت سرکار ﷺ

صدر العلماء علامہ تحسین رضا خان بریلوی علیہ الرحمہ

جس کو کہتے ہیں قیامت حشر جس کا نام ہے

جس کو کہتے ہیں قیامت ،حشر جس کا نام ہے
در حقیقت تیرے دیوانوں کا جشن عام ہے

عظمت فرقِ شہ کونین کیا جانے کوئی
جس نے چومے پائے اقدس عرش اسکا نام ہے

آ رہے ہیں وہ سرِ محشر شفاعت کے لئے
اب مجھے معلوم ہے جو کچھ میرا انجام ہے

تو اگر چاہے تو پھر جائیں سیہ کاروں کے دن
ہاتھ میں تیرے عنانِ گردشِ ایام ہے

روئے انور کا تصور ، زلفِ مشکیں کا خیال
کیسی پاکیزہ سحر ہے ،کیا مبارک شام ہے

دل یہ کہہ کر رہِ طیبہ میں بہلاتا ہوں میں
آ گئی منزل تری بس اور دو، ایک گام ہے

ساقیِ کوثر کا نامِ پاک ہے وردِ زباں
کون کہتا ہے کہ تحسینؔ آج تشنہ کام ہے

☆بقیہ......ماہِ صیام☆

کہ اس نے ہمیں اتنی عمر عطا فرمادی کہ ہمیں یہ مہینہ نصیب ہوگیا، اب ہم جتنا چاہیں ثواب بٹورلیں اور جو چاہیں اپنے رب سے مانگ لیں کہ اس کی رحمت کا سایہ پھیلا ہوا ہے، بس اس کے نیچے پہنچنے کی دیر ہے۔ حضور ﷺ کے ارشاد کے مطابق یہ مقدس مہینہ ہمارے اندر صبر کی قوت پیدا کرے گا جو مومن کامل ہونے کی علامت ہے اور باہمی ہمدردی ومحبت کا جذبہ بیدار کرے گا جو مسلم معاشرے کی خصوصیت ہے۔ اس مہینہ کی برکت سے ہمارے رزق میں فراخی ہوگی۔ پس مبارک ہو کہ یہ مہینہ آگیا، رب کریم کے کرم کے دروازے کھل چکے ہیں، میرے آقا ﷺ بتاتے ہیں کہ: جب رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جن قید کردیے جاتے ہیں، دوزخ کے دروازے بند کردیے جاتے ہیں کہ ان میں سے کوئی دروازہ نہیں کھولا جاتا، جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں کہ ان میں سے کوئی دروازہ بند نہیں کیا جاتا اور غیبی پکارنے والا پکارتا ہے کہ: اے بھلائی چاہنے والے آ، اور اے برائی چاہنے والے باز آجا، اور اللہ کی طرف سے لوگ آگ سے آزاد کیے جاتے ہیں اور یہ ہر رات ہوتا ہے۔[مشکوۃ شریف]

ہم یقین کرتے ہیں کہ مخبر صادق ﷺ کے ارشاد کے مطابق شیاطین اور سرکش جن قید ہوچکے ہیں دوزخ کے دروازے بند ہیں جنت کے دروازے کھلے ہیں، خدا کی طرف سے پکار آرہی ہے کہ جھولیاں پھیلاؤ اور بھرلو، گناہوں سے نجات کا اعلان ہورہا ہے اب نفس پر کنٹرول کرنا باقی ہے جو ہمارا کام ہے۔ اس موقع سے پورا پورا فائدہ حاصل کریں گے، پابندی سے تراویح ادا کریں گے، روزے رکھیں گے، زیادہ سے زیادہ نیکیاں کرنے کی کوشش کریں گے، اپنے اندر صبر کی قوت پیدا کریں گے، آپس کی کدورتوں اور نفرتوں کو محبت میں بدل کر ایک دوسرے کیلئے ایثار کریں گے، غریبوں کی ہر طرح مدد کریں گے، مصیبت زدہ بھائیوں کو سکھ فراہم کریں گے۔ یقین جانیئے اگر ہم یہ عزم کرلیں تو اس مقدس مہینہ کا ہم پر ایسا سایہ ہوگا کہ ہمیشہ کے لئے دنیا کی مصیبتوں اور آخرت کے عذاب سے نجات پالیں گے۔ اللہ عمل کی توفیق دے۔ آمین و صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و علیٰ آلہ و اصحابہ اجمعین۔

نعت سرکار ﷺ

اعجازِ قرآنِ حکیم

علامہ یسین اختر مصباحی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ○

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا [الکہف:۱] سب خوبیاں اللہ کو جس نے اپنے بندے پر کتاب اتاری اور اس میں اصلاً کجی نہ رکھی۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا [الفرقان:۱] بڑی برکت والا ہے وہ کہ جس نے قرآن اتارا اپنے بندے پر جو سارے جہان کو ڈر سنانے والا ہو۔

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِيْلًا [الدھر:۲۳] بے شک ہم نے تم پر قرآن بتدریج اتارا۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ [الانعام:۱۱۵] اور پوری ہوئی تیرے رب کی بات سچ اور انصاف پر۔ اس کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں اور وہی ہے سننے جاننے والا۔

وَاَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ [النحل:۴۴] اور ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار کتاب اتاری کہ تم لوگوں کو وہ بتاؤ جو ان کیلئے اترا اور وہ اس پر کچھ غور کریں۔

اِنَّ هٰذِهٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ اتَّخَذَ اِلٰی رَبِّهٖ سَبِيْلًا [المزمل:۱۹] بیشک یہ نصیحت ہے تو جو چاہے اپنے رب کی طرف راہ لے۔

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰی قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ بِلِسَانٍ عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ [الشعراء:۱۹۲،۱۹۵] اور بے شک یہ قرآن رب العالمین کا اتارا ہوا ہے۔ اسے لے کر روح الامین اترا تمہارے دل پر کہ تم ڈر سناؤ۔ روشن عربی زبان میں۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَی الرَّسُوْلِ تَرٰٓی اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ [المائدۃ:۸۳] اور جب سنتے ہیں وہ جو رسول کی طرف اترا تو ان کی آنکھیں دیکھو کہ آنسوؤں سے ابل رہی ہیں اس لئے کہ وہ حق پہچان گئے۔ کہتے ہیں اے رب ہمارے! ہم ایمان لائے تو ہمیں حق کے گواہوں میں لکھ لے۔

یہ ہیں وہ چند آیات بینات جن کے اندر قرآن حکیم نے اپنی حقیقت، اپنی عظمت، اپنی غایت، اپنی افادیت، اپنی ہدایت، اپنی بلاغت اور اپنی جامعیت کی خود شہادت دی ہے۔ رب کائنات کی یہ کتاب مبین برہان بھی ہے اور فرقان بھی، نور بھی ہے اور شفا بھی ہے، عبرت بھی ہے اور موعظت بھی ہے، ذکر بھی ہے اور حکمت بھی ہے، قول فصل بھی ہے اور صراط مستقیم بھی ہے، احسن الحدیث بھی ہے اور نبأ عظیم بھی ہے، تنزیل بھی ہے اور بیان بھی ہے، علم بھی ہے اور تذکرہ بھی ہے، وحی بھی ہے اور بلاغ بھی ہے، حق بھی ہے اور عدل بھی ہے، بشیر بھی ہے اور نذیر بھی ہے، بشریٰ بھی ہے اور عروۂ وثقیٰ بھی ہے، منادی بھی ہے اور ہادی بھی ہے، احسن القصص بھی ہے اور صحیفۂ مکرمہ مرفوعہ مطہرہ بھی ہے، مجموعۂ بصائر بھی ہے اور مرقع معارف بھی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ [الاعراف:۴۳] سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں اس کی راہ دکھائی۔ اور ہم راہ نہ پاتے اگر اللہ ہمیں راہ نہ دکھاتا۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ○ يَّهْدِیْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ [المائدۃ:۱۵،۱۶] بیشک تمہارے پاس اللہ کی جانب سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔ اللہ اس سے ہدایت دیتا ہے اسے جو اللہ کی مرضی پر چلا سلامتی کے راستے۔ اور انھیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے اپنے حکم سے اور انھیں سیدھی راہ دکھاتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا [النساء:۴، ۱۷۴] اے لوگوں! بیشک تمھارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور اتارا۔

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ قَدْ جَآءَ کُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّکُمْ فَاٰمِنُوْا خَیْرًا لَّکُمْ [النساء:۱۷۰] اے لوگو! تمہارے پاس یہ رسول حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے آیا تو اپنی بھلائی کے لئے ایمان لاؤ۔

یہ قرآن اللہ کی جانب سے پیغمبر اسلام حضرت محمد ﷺ کو عطا کیا گیا ایک معجزہ ہے اور آپ کی نبوت اور رسالت کی روشنی میں دلیل ہے۔ برہانِ قاطع اور حجت قاہرہ ہے۔ سنگ میل اور مصحفِ ہدایت ہے۔ ہر مرد و زن، ہر شیخ و شاب، ہر اسود و ابیض، ہر غنی و محتاج، ہر شاہ و گدا، ہر عالم و جاہل، ہر صحیح و سقیم، ہر ذہین و غبی، اور ہر عربی و عجمی کے لئے اگر وہ چاہے اور خالق و رب کائنات کا فضل اور اس کی توفیق اس کے شاملِ حال ہو۔ یہ ہدایت، یہ رحمت، یہ سعادت اور یہ بشارت خاص نہیں ہے کسی عہد و عصر اور کسی زمان و مکان کے لئے کہ فیصلہ اور حکم ہے یہی اس احکم الحاکمین کا جس نے مشرق و مغرب و ارض و سما و جن و انس سب کی اپنے دستِ قدرت سے تخلیق فرمائی اور ہر شے جس کی مشیت و مرضی کا جلوہ اور اسی کے تابع فرمان ہے۔

ھُوَ الَّذِیْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَہٗ بِالْھُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ [التوبہ:۳۳] وہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کیساتھ بھیجا تا کہ اسے سب دینوں پر غالب کر دے۔

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعَا الَّذِیْ لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ [الاعراف:۱۵۸] تم کہو کہ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں کہ جس کا آسمان اور جس کی زمین ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہی زندگی اور موت دینے والا ہے۔

معجزہ قرآن تسلسل ہے ان معجزات کا جن سے انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم اپنے اپنے دور میں نوازے گئے۔ انہوں نے جب اپنی قوم کو قبول حق کی دعوت دی، انھیں اللہ کی طرف بلایا، یوم حساب اور آخرت کا خوف دلایا، اپنی نبوت و رسالت کا اعلان کیا اس وقت حسب حال اور حسب ضرورت ان کے ہاتھوں اللہ کی جانب سے ان معجزات کا صدور و ظہور ہوا جو ان کی نبوت و رسالت کے لئے دلیل و برہان بن گئے اور ان کے دعویٰ کی تصدیق ان معجزات کے ذریعہ ہوگئی جنھیں ان کی قوم نے اپنی کھلی آنکھوں سے دیکھا۔ مثلاً حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے نارِ نمرود گلزار بن گئی جس کا واقعہ قرآن حکیم میں اس طرح مذکور ہے:

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُکُمْ شَیْئًا وَّلَا یَضُرُّکُمْ اُفٍّ لَّکُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ. قَالُوْا حَرِّقُوْہُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِھَتَکُمْ اِنْ کُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ. وَاَرَادُوْا بِہٖ کَیْدًا فَجَعَلْنٰھُمُ الْاَخْسَرِیْنَ [الانبیاء:۶۶ تا ۷۰] کہا (ابراہیم نے) تو کیا اللہ کے سوا ایسے کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمھیں نفع دے اور نہ کوئی نقصان پہنچا سکے۔ تف ہے تم پر اور ان بتوں پر جن کو اللہ کے سوا تم پوجتے ہو کیا تمھیں عقل نہیں۔ لوگ بولے کہ ان (ابراہیم) کو جلا دو اور اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تمھیں کرنا ہے۔ ہم نے فرمایا اے آگ! ابراہیم کیلئے ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا۔ ان لوگوں نے ان کا برا چاہا تو ہم نے انھیں ہی زیاں کار کر دیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا دستِ مبارک لگتے ہی لوہا موم یا گوندھے ہوئے آٹے کی طرح نرم ہو جایا کرتا تھا: وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَہٗ وَالطَّیْرَ وَاَلَنَّا لَہُ الْحَدِیْدَ اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّ قَدِّرْ فِی السَّرْدِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ [سبا:۱۰، ۱۱] اور بیشک ہم نے داؤد کو بڑا فضل دیا، اے پہاڑوں اس کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کرو اور اے پرندو! اور ہم نے اس کے لئے لوہا نرم کیا کہ وسیع زرہیں بنا اور بنانے میں اندازے کا لحاظ رکھ اور تم سب نیکی کرو۔ بیشک میں تمہارے کام دیکھ رہا ہوں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کیلئے تانبے کا چشمہ بہا اور ہوا ان کے بس میں تھی: وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّھَا شَھْرٌ وَّ رَوَاحُھَا شَھْرٌ وَ اَسَلْنَا لَہٗ عَیْنَ الْقِطْرِ وَ مِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْہِ بِاِذْنِ رَبِّہٖ [سبا:۱۲] اور سلیمان کے بس میں ہوا کر دی، اس کی صبح کی منزل ایک مہینہ کی راہ اور شام کی ایک منزل ایک مہینہ کی راہ، اور ہم نے اس کے لئے پگھلے ہوئے تانبے کا چشمہ بہایا اور جنوں میں سے وہ جو اس کے رب کے حکم سے اس کے آگے کام کرتے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عصا اور ید بیضا کے معجزہ سے ساحروں کو عاجز وساکت اور پھر قائل کیا: فَاَلْقٰى عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَّ نَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِيَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ۝ [الشعراء: ۳۲،۳۳] تو (موسیٰ نے) اپنا عصا ڈال دیا تبھی وہ صریح اژدہا بن گیا، اور اپنا ہاتھ نکالا تو وہ دیکھنے والوں کی نظر میں جگمگانے لگا۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ [البقرہ: ۶۰] اور موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے فرمایا کہ اس پتھر پر اپنا عصا مارو، فوراً اس میں سے بارہ چشمے بہہ نکلے، ہر گروہ نے اپنا گھاٹ پہچان لیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے گہوارۂ مادر میں کلام کیا اور باذن اللہ مریضوں کو شفا دی اور مردوں کو زندہ کیا: اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِيْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِيْ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِيْ [المائدہ: ۱۱۰] اور جب اللہ فرمائے گا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ! یاد کر میرا احسان اپنے اوپر اور اپنی ماں پر جب میں نے پاک روح سے تیری مدد کی، تو لوگوں سے بات کرتا پالنے میں اور پکی عمر ہو کر، اور جب میں نے تجھے سکھائی کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل اور جب مٹی سے پرند کی سی مورت میرے حکم سے بناتا پھر اس میں پھونک مارتا تو میرے حکم سے اڑنے لگتی اور تو مادرزاد اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے شفاء دیتا اور جب تو مردوں کو میرے حکم سے زندہ نکالتا۔

اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ اَنِّيْ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَ مَا تَدَّخِرُوْنَ فِيْ بُيُوْتِكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ [آل عمران: ۴۹] میں تمہارے پاس ایک نشانی لایا ہوں تمہارے رب کی طرف سے کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرند کی سی مورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے۔ اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور اپنے گھروں میں جمع کر رکھتے ہو۔ بیشک ان باتوں میں تمہارے لئے نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

انبیاء ومرسلین کرام کے مذکورہ معجزات پر غور کیا جائے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اقوام وامم ماضیہ کے مزاج ومعیار، ذوق ورجحان، طلب واصرار پر ان کے سامنے مادی وحسی معجزات کو دلیل وبرہان نبوت ورسالت بنایا گیا اور جس فن میں انھیں مہارت حاصل تھی جس شعبہ میں وہ اپنے آپ کو یگانۂ روزگار سمجھتے تھے اس فن اور شعبہ میں انھیں ایسی نشانیاں دکھائی گئیں جو اس زمانہ کے اصحاب قلب سلیم کیلئے اعتراف وقبول کا باعث بن سکیں اور انھیں توحید ورسالت کے اقرار اور ان پر ایمان لانے کی ترغیب دے کر انھیں صراط مستقیم پر لاسکیں۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم اور فرعون کے درباریوں کے درمیان فن جادوگری کا رواج تھا تو آپ کو عصائے کلیمی اور ید بیضاء کا معجزہ دیا گیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جن کی طرف مبعوث کیا گیا انھیں طب میں کمال حاصل تھا تو انھیں احیاءِ موتیٰ کا معجزہ دیا گیا اور یہ بھی معجزات مادی اور حسی ہیں۔

پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بہت سارے معجزات کے ساتھ رب کائنات نے جو سب سے بڑا معجزہ عطا فرمایا وہ یہی قرآن حکیم ہے۔ آپ کو مادی وحسی اور عقلی ومعنوی دونوں طرح کے معجزات سے اس نے نوازا مگر اس وقت ہمارے زیر بحث معجزۂ قرآن ہے جو عقلی وفکری اور نظری ومعنوی ہے۔ آپ کی نبوت ورسالت چوں کہ قیامت تک کے سارے انسانوں کے لئے عام ہے اس لئے یہ معجزۂ قرآن یوم قیامت تک جملہ عالم وعالمیان کے لئے آپ کی نبوت ورسالت کی دلیل وبرہان بن کر ان کی ہدایت ورہنمائی کا فریضہ انجام دیتا رہے گا۔

گزشتہ انبیاء ومرسلین علیہم الصلوٰۃ والتسلیم کے معجزات کا علم ویقین اور ان کی تصدیق کا ذریعہ دور حاضر کے انسانوں کے لئے وحیِ متلو کی شکل میں قرآن اور صرف قرآن ہے جب کہ اعجاز قرآن یہ ہے کہ یہ خود اپنی تصدیق آپ ہے۔ یہ دعویٰ بھی ہے اور دلیل بھی ہے اور علم ویقین کا

جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ یہی وہ ذکر و تذکرہ اور کتاب و صحیفہ ہے جس کی حفاظت کا ذمہ رب کائنات نے لے رکھا ہے۔ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ [الحجر:۹] ہم نے ہی اسے نازل کیا اور اس کی حفاظت ہمارے ہی ذمۂ کرم پہ ہے۔

''عجز'' عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ضعف و ناتوانی اور عدم قدرت ہے۔ اعجاز کا معنی عاجز و بے بس کر دینا ہے اور اعجاز قرآن کا مطلب ہے کہ انسانی فہم و فکر اور عقل و خرد کو اس نے اپنی مثال لانے اور اپنا جواب دینے سے عاجز کر دیا ہے، لاکھ کوشش کے باوجود کسی بھی زمانہ کے انسان قرآن جیسی کوئی سورت اپنی طرف سے پیش نہیں کر سکتے، کیوں کہ قرآن ایک معجزہ ہے اور معجزہ اس خرق عادت کو کہتے ہیں جو طاقت بشری سے باہر ہو۔ کلام الٰہی اور کلام انسان میں وہی فرق و بعد ہے جو صنعت خالق اور صنعت مخلوق کے درمیان فرق و امتیاز ہوا کرتا ہے، یہ معجزہ انبیاء و مرسلین کے ذریعہ صادر و ظاہر ہوا کرتا تھا۔

معجزہ کی تعریف کرتے ہوئے شیخ الاسلام، مجدد ملت، علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن سیوطی شافعی مصری (متوفی ۹۱۱ھ) ﷫ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''الاتقان فی علوم القرآن'' میں تحریر فرماتے ہیں: ''قال ابن العربی: ولم یصنف مثل کتابہ ۔ اعلم ان المعجزة امر خارق للعادة، مقرون بالتحدّی، سالم عن المعارضة وھی إمّا حِسّية وا ماعقلية ۔ واكثر معجزات بنی اسرائیل كانت حسّية لبلادتهم وقلة بصيرتهم ۔ واكثر معجزات هذه الامة عقلية لفرط ذكائهم و كمال افهامهم ۔ ولأ ن هذ الشريعة لما كانت باقية علىٰ صفحات الدهر الى يوم القيامة خُصّت بالمعجزه العقلية الباقية لِيَراهاذو والبصائر كماقال صلی اللّٰه علیه وسلم ۔ مامن الانبياء نبي الّا اعطى مامثله آمن عليه البشر ۔ وانماكان الذی او تيته و حياً او حاه اللّٰه اليّ ۔ فارجوان اكون اكثرهم تابعاً۔ اخرجه البخاری ۔ قيل ان معناه :ان معجزات الانبياء انقرضت بانقراض اعصارهم فلم يشاهد ها إلّامن حضرها۔ ومعجزة القرآن مستمرة الىٰ يوم القيامة و خرقة العادة في اسلوبه و بلاغته واخباره بالمغيبات، فلايمر عصر من الاعصار الّاو يظهر فيه شیء مِمّا اخبربه انه سيكون يدل علی صحة دعواه '' [ص ۱۴۸، ۱۴۹۔ الجزء الثانی من الاتقان للعلامة جلال الدين السيوطی ۔ شركة مصطفى البابی الحلبی واولاده بمصر]

اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے پیغمبر اسلام حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر بذریعہ جبریل امین نازل ہونے والا قرآن ایک لافانی معجزہ کی شکل میں کل بھی زندہ و تابندہ تھا اور آج بھی اس کی شعاع نور سے کائنات ہستی کا گوشہ گوشہ روشن و منور ہو رہا ہے۔ اس کے ظاہری و باطنی جمال و رعنائی اور رونق و زیبائی سے انسانی فطرت سلیم کل بھی متاثر تھی اور آج بھی اسی کی طرف اس کا غالب رجحان و میلان ہے۔ اس کی قرأت و تلاوت، اس کی تجوید و ترتیل، اس کے الفاظ و معانی کی دلکشی، اس کے پیغام تعقل و تدبر، اس کے فواتح و فواصل، اس کے منطوق و مفہوم، اس کے علوم و معارف، اس کے اسرار و دقائق، اس کے مثال و قصص، اسکے فضائل و خواص، اس کے مفردات و مرکبات، اس کے کلمات و آیات، اس کے محکمات و متشابہات، اس کے عجائب و غرائب، اسکی فصاحت و بلاغت، اس کا طرز و اسلوب، اس کی تاثیر و نفوذ، اس کی جامعیت و ہمہ گیری اور قیامت تک باقی رہنے والی اس کی عظمت و اہمیت و افادیت یہ سب کچھ اس عالم قدس کی تجلیات ہیں جہاں ہر طرف سے'' سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا '' اور'' اٰمَنَّا وَ صَدَّقْنَا '' کی صدائے دل نواز گونج رہی ہے اور سعادت مند روحیں لحہ بہ لحہ گویا پکار رہی ہیں کہ ''كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا '' [آل عمران:۷] سب کا سب ہمارے رب کے پاس سے ہے اور'' رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ '' [آل عمران:۸] اے ہمارے رب! ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عنایت کر اور بیشک تو ہی بڑا دینے والا ہے۔

قرآن حکیم کی تلاوت و سماعت اکثر دلوں پر براہ راست اثر انداز ہوتی ہے، جس سے عام و خاص اور عالم و جاہل ہر مسلمان مستفید و مستفیض ہوتا ہے۔ پیغمبر اسلام ﷺ کے توسط و توسل سے اس کے اولین مخاطب صحابۂ کرام اور پھر سارے اہل ایمان اور تمام نفوس و ارواح ہیں۔ وہ بقدر ظرف جتنا چاہیں اس سے فیض و برکت حاصل کریں، ہر شعبۂ

زندگی کے لئے اس سے ہدایت حاصل کریں، یہ اذنِ عام اور اس کا افادۂ تام ہے۔ ہاں! اس قرآن کی تفسیر و تاویل کا مرحلہ سخت دشوار ہے۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے احکام و ارشادات سے الگ ہٹ کر کچھ سمجھنا، کچھ بولنا، کچھ لکھنا اپنے ایمان اور اپنے آپ کو خطرے میں ڈالنا ہے، جس سے اللہ کی پناہ!

"**وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ**" [بنی اسرائیل:۳۶] اور اس بات کے پیچھے نہ پڑو جس کا تمہیں علم نہیں۔ "**اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ**" [البقرة:۱۶۹] شیطان تمہیں بدی اور بے حیائی کا حکم دے گا اور یہ کہ اللہ پر وہ بات جوڑو جس کی تمہیں خبر نہیں۔

پیغمبر اسلام ﷺ ارشاد فرماتے ہیں: "**من قال فی القرآن برائه بغیر علم فلیتبوا مقعده من النار.**" [ابوداؤد] جس نے قرآن میں بغیر علم کے محض اپنی رائے سے کچھ کہا وہ جہنم میں اپنا ٹھکانہ بنالے۔ "**من تکلم فی القرآن برائه فاصاب فقد اخطأ**" [ترمذی، نسائی] جس نے قرآن میں محض رائے سے کوئی بات کی اور وہ درست ہے جب بھی وہ کہنے والا غلطی پر ہے۔ اصول محکم اور قواعد شرعیہ کی رعایت ہر قدم پر ضروری ہے ورنہ لغزش کا پورا پورا امکان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحیح تفسیر و تاویل کے لئے پیغمبر اسلام ﷺ نے خود حضرت عبداللہ بن عباس کے لئے دعا فرمائی جو صحابۂ کرام کے درمیان رأس المفسرین تھے: "**اللّٰھم فقھه فی الدین و علمه التاویل**۔" اے اللہ! انھیں دینی تفقہ اور علم تاویل سے سرفراز فرمادے۔

معرفت علوم اسلامیہ و دیگر علوم و فنون لازمہ بالخصوص عربی زبان و ادب، اسباب و احوال نزول، التزام عقائد ثابتہ و رعایت سنت نبویہ کے بغیر صحیح فہم قرآن و تدبر قرآن کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا: "**قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ**۔" [الزمر:۹] تم کہو کہ کیا برابر ہیں علم رکھنے والے اور وہ جو بے علم ہیں نصیحت تو وہی مانتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

"**فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ**" [الانبیاء:۷] تو اے لوگو! علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔

فصاحت کلام اور بلاغت بیان معجزۂ قرآن ہے۔ اعجاز قرآن اور وجوہ اعجاز کے بارے میں علماء و محققین متقدمین و متأخرین نے کافی عرق ریزی کے ساتھ بحث و تحقیق کی ہے اور مطول و متوسط و مختصر کتب و رسائل تحریر کئے ہیں، جن میں مشہور وجوہ اعجاز یہ ہیں: (۱) حسن تالیف و نسق کلمات (۲) بے نظیر اسلوب بلیغ (۳) اخبار غیب (۴) اخبار قرون و امم ماضیہ اور اس طرح بھی اعجاز قرآن کی نشاندہی کی گئی ہے۔ (۱) اعجاز ثابت بالفعل (۲) اعجاز اسلوب و نظم (۳) اعجاز بلاغت (۴) اعجاز غیب (۵) اعجاز سلامتی اختلاف (۶) اعجاز علوم و تشریعات و احکام جامعہ (۷) اعجاز تحقیقات و انکشافات (۸) اعجاز حجت نبوت (۹) اعجاز تحدی۔

علامہ جلال الدین سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) اس سلسلے میں علماء کے خیالات و آراء پیش کرتے ہوئے ابن سراقہ (متوفی ۴۱۰ھ) کی یہ تحقیق نقل کرتے ہیں: "وقال ابن سراقه: اختلف اهل العلم فی وجه اعجاز القرآن۔ فذكروا فی ذلك وجوها كثيرة كلها حكمة وصوابا۔ وما بلغوا فی وجوه اعجاز جزء اواحد من عشر معشاره۔ فقال قوم: هو الایجاز مع البلاغة۔ وقال آخرون: هو البیان والفصاحة۔ وقال آخرون: هو الوصف والنظم۔ وقال آخرون: هو كونه خارجا عن كلام العرب من النثر والنظم والخطب والشعر مع كون حروفه فی كلامهم و معانیه فی خطابهم والفاظه من جنس كلماتهم۔ وهو بذاته قبیل غیر قبیل كلامهم وجنس آخر متمیز عن اجناس خطابهم۔ حتی ان من اقتصر علی معانیه و غیر حروفه اذهب رونقه۔ ومن اقتصر علی حروفه و غیر معانیه ابطل فائدته۔ فكان فی ذلك ابلغ دلالة علیٰ اعجازه۔ وقال آخرون: هو كون قارئه لا یكل وسامعه لا یمل وان تكررت علیه تلاوته۔ وقال آخرون: هو ما فیه من الاخبار عن الامور الماضیة۔ وقال آخرون: هو ما فیه من علم الغیب والحكم علی الامور بالقطع۔ وقال آخرون هو كونه جامعا لعلوم یطول شرحها ویشق حصرها۔ اه (ص ۱۰۰۔ الاتقان فی علوم القرآن،

الجزالثانی)

اسی طرح علامہ قاضی عیاض اندلسی (متوفی ۵۴۴ھ) کی فاضلانہ و عارفانہ کتاب ''الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ'' الجزء الاول میں ذکر کردہ چار وجوہ اعجاز کی تلخیص کرتے ہوئے علامہ جلال الدین سیوطی تحریر فرماتے ہیں:'' وقال القاضی عیاض فی الشفا: اعلم ان القرآن منطو علی وجوہ من الاعجاز کثیرۃ و تحصیلھامن جھۃ ضبط انواعھافی اربعۃ وجوہ ۔ اولھا : حسن تالیفہ و التئام کلمہ و فصاحتہ ۔ ووجوہ ایجازہ و بلاغتہ الخارقۃ عادۃ العرب الذین ھم فرسان الکلام و ارباب ھذا الشان ۔ والثانی : صورۃ نظمھاالعجیب والاسلوب الغریب المخالف لاسالیب کلام العرب ، ومنھا نظمھا ونثرھاالذی جاء علیہ وو قفت علیہ مقاطع ایاتہ و انتھت الیہ فو اصل کلماتہ و لم یو جد قبلہ ولا بعدہ نظیرلہ ۔

قال : و کل واحد من ھذین النوعین الایجازوالبلاغۃ بذاتھاوالاسلوب الغریب بذاتہ نوع اعجاز علی التحقیق لم تقدرالعرب علی الا تیان بواحد منھما، اذکل واحدخارج عن قدرتھامباین لفصاحتھاو کلامھا، خلافًا لمن زعم ان الاعجازفی مجموع البلاغۃوالاسلوب۔الوجہ الثالث: ماانطوی علیہ من الاخبار بالمغیبات ومالم یکن ،فوجد کماورد۔الرابع : ماانبأ بہ من القرون السالفۃ والامم البائدۃ و الشرائع الدائرۃ مما کان لایعلم منہ القصۃ الاواحدۃ الّا لفذّ من احبار اھل الکتاب الذی قطع عمرہ فی تعلم ذلک، فیوردہ ﷺ علی و جھہ ویأتی بہ علی نصہ وھواُمّی لایقرأولا یکتب۔[ص ۱۵۶، الاتقان للعلامۃ السیوطی ، مطبوعہ مصر]

علماء و مفسرین و محققین کرام نے قرآن حکیم کے کلام خالق و منزل من اللہ ہونے کے دلائل دیتے ہوئے اور وجوہ اعجاز قرآن بتلاتے ہوئے جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے:

(۱) فصاحت و بلاغت قرآن نے اسے کلام مخلوق سے ممتاز کردیا ہے۔ (۲) قرآن کا اسلوب اور نظم و ارتباط بے مثال ہے۔ (۳) زمانۂ نزول سے آج تک کوئی بھی صاحب زبان ادیب و محقق اس کے معیار کا کوئی کلام پیش نہ کرسکا اور نہ آئندہ پیش کرسکے گا۔ (۴) عہد ماضی اور گزشتہ اقوام و ملل کے حالات و واقعات قرآن نے بیان کئے جن کی صحت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے۔ (۵) غیب اور آنے والے جن معاملات و مسائل کی قرآن نے خبر دی وہ اپنے اپنے وقتوں پر اسی طرح ظہور پذیر ہوئے جیسے قرآن نے بتلائے اور لوگوں کو آگاہی دی۔ (۶) اللہ تبارک وتعالیٰ کے اسماء و صفات ، ممکنات و محالات ، دعوت توحید و عبادت خالق، دلائل و براہین قاطعہ، اور استیصال شرک و کفر وغیرہ کا ایسا متعین و بلیغ انداز جس سے یقینی طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کسی بشر نہیں بلکہ خالق بشر کا کلام ہے۔ (۷) عقائد و اصول، حلال و حرام، مکارم اخلاق، مصالح دنیا و آخرت وغیرہ کا غایت حکمت و بصیرت کے ساتھ بیان و تشریع و تشریح جہاں تک کسی انسانی ذہن کی رسائی ممکن نہیں۔ (۸) نقص و زیادتی و تغیر و تبدل سے قرآن حکیم مکمل محفوظ ہے۔ (۹) مشاہدہ و تجربہ ہے کہ دیگر کتابوں کے مقابلہ میں حفظ قرآن حکیم نہایت آسان ہے اور عہد صحابہ سے آج تک حفاظ قرآن کی بے شمار تعداد رہی ہے۔ (۱۰) قرآن حکیم کو جب جب پڑھا اور سنا جائے اس سے لطف و لذت حاصل ہوتی رہتی ہے، دوسری کتابوں کی طرح اس کے پڑھنے سننے والے گھبراتے نہیں ہیں۔

کفار و مشرکین عرب جب قرآن حکیم کی تکذیب کرتے ہوئے اسے بشری کلام کہنے لگے کہ محمد (ﷺ) تو کچھ کلام اپنی طرف سے گڑھ کر لوگوں کو سناتے رہتے ہیں۔ یہ تو شاعر ہیں، یہ مجنوں ہیں، یہ کاہن ہیں، یہ ساحر ہیں (معاذ اللہ) تو قرآن حکیم نے ان افتراپردازوں اور کذابوں کی تکذیب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: وَمَاھُوَبِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِیْلاً مَّاتُؤْ مِنُوْنَ .وَلَابِقَوْلِ کَاھِنٍ قَلِیْلاًمَّاتَذَ کَّرُوْنَ [الحاقہ:۴۱،۴۲] اور وہ کسی شاعر کی بات نہیں تم کتنا کم یقین رکھتے ہو۔ اور نہ کسی کاہن کی بات ہے تم کتنا کم دھیان دیتے ہو۔

فَذَکِّرْ فَمَآاَنْتَ بِکَاھِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ [الطور:۲۹] تم نصیحت کرتے رہو اپنے رب کے فضل سے نہ تم کاہن ہو نہ ہی مجنون ہو۔

اَفَسِحْرٌ ھٰذَآ اَمْ اَنْتُمْ لَا تُبْصِرُوْنَ [الطور:۱۵] تو کیا یہ جادو ہے یا تمہیں

سوجھتا نہیں ہے۔

افترا و استھزا اور عصبیت و عناد کا جب منکرین و مشرکین کی طرف سے سلسلہ دراز ہونے لگا اور وہ طرح طرح کی تجاویز و مطالبات پیش کر کے اسلام و پیغمبر اسلام اور قرآن پر اعتراضات اور حملے کرنے لگے تو ان سے کہا گیا کہ اگر تم بھی ایسی ہی تعلیم اور ایسا ہی کلام اپنی طرف سے بنا سکتے ہو تو یہ کام کر گزرو۔ تم قرآن کو محمد (ﷺ) کی اپنی بات اور اپنا بنایا ہوا یا کسی راہب و معلم کی مدد سے تیار کردہ کلام سمجھتے ہو تو پھر تمہیں ایسا کرنے سے کون منع کر رہا ہے؟ اپنے تمام علما و فضلا، شعرا و ادبا، فصحا و بلغا کو بلا کر ان سے فریاد کرو اور ان کی اجتماعی یا کسی انفرادی کوشش سے قرآن کا جواب لاؤ۔ سب کا نہیں تو دس سورتوں کا ہی جواب دے دو۔ یہ بھی نہیں کر سکتے تو پھر کسی ایک سورۃ کا ہی جواب تیار کر لو لیکن ان میں سے کچھ بھی تمہارے بس کا نہیں ہے، اور کلام مخلوق کا کلام خالق سے مقابلہ ممکن بھی کیوں کر ہو سکتا ہے؟

مختلف اوقات و مراحل میں قرآن حکیم نے کفار و مشرکین کو مخاطب کرتے ہوئے اور انھیں چیلنج دیتے ہوئے کہا: ''اَمْ یَقُوْلُوْنَ تَقَوَّلَهٗ بَلْ لَّا یُؤْمِنُوْنَ فَلْیَاْتُوْا بِحَدِیْثٍ مِّثْلِهٖۤ اِنْ كَانُوْا صٰدِقِیْنَ '' [الطور:۳۳،۳۴] یا کہتے ہیں کہ انھوں نے یہ قرآن بنا لیا ہے بلکہ (سچ یہ ہے کہ) وہ ایمان نہیں رکھتے ہیں تو اس جیسی ایک بات تو لے آئیں اگر وہ سچے ہیں۔

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ [ھود:۱۳] کیا یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے اسے خود بنا لیا ہے تو ان سے کہو کہ تم بھی اپنی طرف سے اسی طرح کی دس سورتیں بنا کر لاؤ اور اللہ کے سوا جو بل سکیں سب کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ یُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ الْكِتٰبِ لَا رَیْبَ فِیْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ. اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ [یونس:۳۷،۳۸] اور اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ اپنی طرف سے کوئی اسے بنا لے بے اللہ کے اتارے، ہاں وہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے اور لوح میں جو کچھ لکھا ہے اس کی تفصیل ہے، اس میں کچھ شک نہیں ہے، پروردگار عالم کی طرف سے ہے، کیا یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے اسے خود بنا لیا ہے تم کہو کہ اس جیسی ایک سورت بنا کر لاؤ اور اللہ کے سوا جو مل سکیں بلا لاؤ، اگر تم سچے ہو۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ. فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ [البقرۃ:۲۳،۲۴] اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے بندہ پر نازل کیا ہے تو اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے سب حمایتیوں کو بلا لاؤ اگر تم سچے ہو۔ پھر اگر نہ لا سکو اور ہرگز نہ لا سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں جو کافروں کے لئے تیار رکھی ہے۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا [بنی اسرائیل:۸۸] تم کہو کہ اگر آدمی اور جن سب اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں تو اس کا مثل نہ لا سکیں گے اگرچہ وہ سب ایک دوسرے کے مددگار رہوں۔

عہد نزول قرآن سے اب تک یہ چیلنج لا جواب ہے اور قیامت تک لا جواب رہے گا۔ بعض منکرین و معاندین نے جواب دینے اور قرآن جیسا کچھ کلام بنانے کی کوشش ضرور کی مگر وہ اس میں بری طرح ناکام رہے۔ کچھ جھوٹے مدعیانِ نبوت نے مسجع و مقفی عبارتیں بنا کر معارضہ کرنا چاہا تو انہیں اس دور کے اہل علم و ادب میں سے کسی نے بھی قابلِ اعتناء نہ سمجھا۔ انہیں سر پھرے کذابوں میں خطۂ یمامہ کے بنو حنیفہ کا ایک مدعی نبوت مسیلمہ بن حبیب نجدی ہے جو مسیلمہ کذاب کے نام سے مشہور ہوا۔ اس نے ۱۰ھ میں پیغمبر اسلام ﷺ کو یہ لکھ کر شریکِ نبوت ہونے کی ایسی جسارت کی جو قابل عمل و قابل قبول تو کیا قابلِ سماعت بھی نہیں ہے: ''اما بعد! فانی شورکت فی الارض معك و ان لنا نصف الارض ولقریش نصفها لکن قریشا قوم یعتدون'' مسیلمہ کذاب کا دعویٰ تھا کہ رحمٰن نام کا اک

فرشتہ وحی لے کر اس کے پاس آتا ہے جو رحمٰن نہیں بلکہ دراصل اس کا شیطان تھا جس نے اسے مبتلائے فریب وگمراہی کر رکھا تھا۔ تاریخ میں اس کے کچھ کلمات کہیں کہیں مل جاتے ہیں جن کے بارے میں اس کا دعویٰ تھا کہ اس کے قرآن کی آیات ہیں۔ مثلاً: ”والمبذرات زرعاء والحاصدات حصدا۔والذاريات قمحا، والطاحنات طحناء والعاجنات عجنا۔والخابزات خبزا، والثاردات ثردا،والاقمات لقما، اهالة وسمنا، لقد فضلتم على اهل الوبر، وما سبقكم اهل المدر ،ريفكم فامنعوه،والمعتر آووه، والباغي فناوئوه۔“ ”انا اعطيناك الجماهر ،فصل لربك وجاهر ، ولا تطع كل ساحر۔“ ”والشاء والوانها ، واعجبها السود والبانها، والشاة السوداء،واللبن الابيض ، انه لعجب محض ،وقد حرم المذق، فما لكم لا تمجعون۔“ ”الفيل مالفيل، وماادراك مالفيل ، له ذنب وبيل ، وخرطوم طويل ۔“ ”يا ضفدع يابنت ضفدعين ، نقي ماتنقين ،نصفك في الماء ونصفك في الطين ، لا الماء تكدرين ، ولا الشارب تمنعين۔“

کلماتِ مذکورہ کو اہل علم یا اہل زباں نے کبھی اس لائق بھی نہیں سمجھا کہ ان پر کچھ تبصرہ کر کے اپنا وقت ضائع کریں۔ انہیں ہفوات یا شاعرانہ زبان میں تک بندی کے سوا کچھ نہیں کہا جاسکتا۔

ایک عبرت انگیز واقعہ ولید بن مغیرہ کا ہے جو قرآنی آیات سن کر ان سے کافی متاثر ہوگیا تھا مگر قریش کی نکتہ چینی سے اس وقت خائف ہوگیا جب کفارِ قریش نے یہ کہنا شروع کیا کہ ولید بن مغیرہ اپنے آبائی مذہب سے انحراف کر رہا ہے۔ اس کے پاس قبیلۂ قریش کا ایک وفد ابوجہل کی سرکردگی میں پہنچا اور اس نے ولید کی نسبی حمیت اور مال و ثروت کی دہائی دی، اس کی غیرت کو للکارا اور کہا کہ: تم کوئی ایسی بات کہو جس سے قوم یہ سمجھ لے کہ تم قرآن کو پسند نہیں کرتے۔ ولید نے اس وفد سے کہا کہ: میں کہوں تو کیا کہوں؟ واللہ تم میں کا کوئی شخص شعر وشاعری کو مجھ سے زیادہ جاننے والا نہیں ہے۔ رجز وقصیدہ واشعارِ جن کا مجھ سے زیادہ کوئی واقف نہیں ہے۔ واللہ! یہ کلام ان میں سے کسی سے مشابہ نہیں ہے۔ محمد (ﷺ) جو کلام سناتے ہیں اس میں حلاوت اور تازگی وشادابی ہے، اس کا اوپری حصہ ثمردار اور نیچے کا حصہ ہرا بھرا پھیلا ہوا ہے، وہ غالب ہوگا اور اس پر کوئی غلبہ نہ پاسکے گا، وہ سب کو توڑ کر رکھ دے گا۔

ابوجہل نے ولید بن مغیرہ سے کہا کہ تمہاری قوم تمہیں اس طرح نہیں چھوڑے گی، تمہیں کچھ نہ کچھ کہنا ہوگا۔ ولید نے کہا اچھا مجھے سوچنے دو۔ پھر سوچ کر اس نے کہا کہ یہ تو ایک جادو ہے جو پھیلتا جا رہا ہے، کیا اسے دیکھتے نہیں کہ وہ آدمی اور اس کے اہل خانہ اور اس کی موالی کے درمیان جدائی ڈال دیتا ہے۔ [تفسیر ابن کثیر وحاکم وغیرہ]

قرآن حکیم نے اسی واقعہ کا سورۂ مدثر میں اسی طرح ذکر فرمایا ہے۔ ”ذَرْنِيْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيْدًا. وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا. وَّبَنِيْنَ شُهُوْدًا. وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِيْدًا. ثُمَّ يَطْمَعُ اَنْ اَزِيْدَ. كَلَّا اِنَّهٗ كَانَ لِاٰيٰتِنَا عَنِيْدًا. سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا. اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ فَقُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ. ثُمَّ قُتِلَ كَيْفَ قَدَّرَ. ثُمَّ نَظَرَ. ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ. ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ. فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ. اِنْ هٰذَآ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ. سَاُصْلِيْهِ سَقَرَ [المدثر: ۱۱-۲۶] اسے مجھ پر چھوڑ دو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا اور اسے وسیع مال دیا اور بیٹے جو (اس کے) سامنے حاضر رہتے ہیں اور میں نے اس کے لئے بہت کچھ ہموار کیا۔ پھر یہ طمع کرتا ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں۔ ہرگز نہیں وہ تو میری آیات سے عناد رکھتا ہے قریب ہے کہ میں اسے آگ کے پہاڑ صعود پر چڑھاؤں۔ اس نے بیشک کچھ سوچا پھر دل میں کچھ بات ٹھہرائی تو اس پر لعنت ہے اس نے کیسی بات ٹھہرائی ہے۔ پھر اس پر لعنت ہے اس نے کیسی بات ٹھہرائی۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا پھر تیوری چڑھائی اور منھ بگاڑا پھر پلٹ کر اس نے کبر ونخوت سے کہا۔ یہ تو وہی جادو ہے جو اگلوں سے سیکھا ہے یہ تو آدمی ہی کا کلام ہے۔ کوئی دم جاتا ہے کہ میں اسے جہنم میں دھنسا دوں گا۔

دوسری طرف حضرت عمر بن خطاب ہیں جو اسلام لانے سے پہلے پیغمبر اسلام ﷺ اور قرآن کے سخت منکر ومخالف بلکہ دشمن تھے مگر ایک روایت ابن اسحاق کے مطابق خانۂ کعبہ کے قریب پیغمبر اسلام ﷺ کی زبانِ مبارک سے چند آیاتِ قرآنی سن کر یہ حال ہوگیا کہ: ” فلما

سمعت القرآن رق له قلبي فبكيت و دخلني الاسلام " [سیرۃ ابن ہشام] جب میں نے قرآن سنا تو میرا دل نرم پڑ گیا اور میرے اندر اسلام نے اپنی جگہ بنالی۔ اور دوسری روایت ابن اسحاق کے مطابق اپنی بہن فاطمہ بنت خطاب اور بہنوئی سعید بن زید بن عمرو کے گھر سورۂ طٰہٰ کی چند آیات سے اتنے متاثر ہوئے کہ بول اٹھے: " ما احسن هذا الكلام واكرمه " اور پھر پیغمبر اسلام ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر اپنے اسلام کا اعلان کر دیا۔ [سیرۃ ابن ہشام]

نزولِ قرآن سے اعجازِ قرآن تک، فاتحۃ القرآن سے خاتمۃ القرآن تک، تلاوتِ قرآن سے فہمِ قرآن تک، مقصودِ قرآن ہے بنی نوعِ انسان کی نصیحت و موعظت و رحمت و ہدایت و بصیرت اور امتیازِ حق و باطل کرتے ہوئے اسے صراطِ مستقیم پر گامزن رکھنا: " إِنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لِلنَّاسِ بِالْحَقِّ فَمَنِ اهْتَدَىٰ فَلِنَفْسِهِ [الزمر:۴۱] بیشک ہم نے یہ کتاب لوگوں کی ہدایت کے لئے حق کے ساتھ اتاری ہے تو جس نے راہ پائی وہ اس کے اپنے لئے ہے۔

هَٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ [آل عمران:۱۳۸] یہ لوگوں کو بتانے اور راہ دکھانے اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت ہے۔

ذَٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ [البقرۃ:۲،۳] وہ بلند رتبہ کتاب جس میں شک کی کوئی جگہ نہیں اس میں ڈر والوں کیلئے ہدایت ہے۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ [النحل:۸۹] اور ہم نے تم پر یہ کتاب اتاری جو ہر چیز کا روشن بیان ہے اور مسلمانوں کیلئے ہدایت و رحمت و بشارت ہے۔

قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ [یونس:۵۷] اے لوگو! تمہارے پاس رب کی طرف سے نصیحت آئی اور دلوں کے لئے شفاء اور اہل ایمان کے لئے ہدایت و رحمت۔

فَصَّلْنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ [الاعراف:۵۲] ہم نے اس کتاب کو بڑے علم سے مفصل کیا جو اہل ایمان کیلئے ہدایت و رحمت ہے۔

هَٰذَا بَصَائِرُ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ [الجاثیہ:۲۰] یہ لوگوں کے لئے آنکھ کھولنا ہے اور ایمان والوں کیلئے ہدایت و رحمت ہے۔

إِنَّ هَٰذَا الْقُرْآنَ يَهْدِي لِلَّتِي هِيَ أَقْوَمُ [بنی اسرائیل:۹] بیشک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے جو سب سے سیدھی ہے۔

لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ [الانفال:۸] کہ حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کر دے اگرچہ مجرم برا مانتے رہ جائیں۔

وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا [بنی اسرائیل:۸۱] اور کہو کہ حق آیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا۔

فَإِمَّا يَأْتِيَنَّكُم مِّنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ [البقرۃ:۳۸] پھر جب تمہارے پاس میری جانب سے ہدایت آئے تو جو میری ہدایت کا پیرو ہوا اسے کوئی اندیشہ اور غم نہیں ہے۔

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَرَحْمَةً وَذِكْرَىٰ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ [العنکبوت:۵۱] اور کیا یہ انہیں کافی نہیں کہ ہم نے تم پر کتاب اتاری جو انہیں پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔ بے شک اس میں ایمان والوں کے لئے رحمت و نصیحت ہے۔

وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ [آل عمران:۱۰۱] اور جس نے اللہ کا سہارا لیا وہ ضرور سیدھی راہ دکھایا گیا۔

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ [آل عمران:۵۱] بے شک میرا تمہارا سب کا رب اللہ تبارک تعالیٰ ہے اس لئے اسی کی عبادت کرو۔ یہی سیدھا راستہ ہے۔

قرآن و اعجازِ قرآن کا بڑا خوبصورت تعارف کرایا ہے اور بڑی اچھی اور سچی ترجمانی کی ہے شاعرِ مشرق ڈاکٹر اقبال نے۔

آں کتابِ زندہ، قرآنِ حکیم — حکمت او لایزال ست و قدیم
حرف او را ریب نے تبدیل نے — آیہ اش شرمندۂ تاویل نے
نوعِ انساں را پیامِ آخریں — حاملِ او رحمۃ للعالمیں

☆ ☆ ☆ ☆

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ

عقائد و نظریات

مفتی محمود اختر قادری

عہد رسالت میں اجتہاد کا وجود

کلام الٰہی اور احادیث نبویہ کی روشنی میں ائمہ مجتہدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا قیاس و اجتہاد فرمانا ایک اجماعی مسئلہ ہے لیکن اسے باطل قرار دینا اور بدعت سیئہ و گمراہی ٹھہرانا ایسے لوگوں کا شیوہ ہے جو ابن تیمیہ اور ابن قیم جیسے لوگوں کے اقوال پر ایسا عقیدہ رکھتے ہیں اور ایسی اندھی تقلید کرتے ہیں گویا ان کے نزدیک ان کے اقوال نصوص قطعیہ کا درجہ رکھتے ہیں بلکہ بسا اوقات ان کے اقوال کے مقابل نص قطعی کو بھی رد کرنے سے دریغ نہیں کرتے۔ یہ لوگ سیدھے سادھے، کم علم، صحیح العقیدہ مسلمانوں کو بہکانے اور ورغلانے کیلئے اس کذب و افترا سے ذرہ برابر بھی نہیں شرماتے کہ ائمہ مجتہدین کا اجتہاد، بدعت و بے اصل ہے۔ قرآن وسنت سے نہ اس کی اجازت ہے اور نہ ہی عہد رسالت و عہد صحابہ میں اس کی کوئی نظیر ملتی ہے۔ غیر مقلدین کے اس دعوے کی قلعی کھولنے کیلئے نیز صحیح العقیدہ مسلمانوں کے اطمینان قلبی اور عقیدہ کے استحکام و ثبات کی خاطر یہاں ہم دلائل و براہین سے ثابت کریں گے کہ عہد رسالت میں بھی بعض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اجتہاد کی اجازت تھی اور انہوں نے بوقت ضرورت اجتہاد و قیاس فرمایا، جس پر حضور اکرم ﷺ نے سرزنش فرمانے یا ناراضگی ظاہر کرنے کی بجائے تائید و تصویب فرمائی اور خطا واقع ہونے کی صورت میں اس کی نشاندہی فرمائی اور صحابہ کرام کو اجتہاد سے قطعاً منع نہ فرمایا۔

عام طور سے یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اجتہاد و قیاس کی ابتدا عہد رسالت کے بعد ہوئی ہے۔ عہد رسالت میں نہ اجتہاد ہوتا تھا نہ ہی اجتہاد کی ضرورت تھی کیونکہ وہ نزول وحی کا دور تھا اور صحابہ کرام تمام تر احکام و مسائل کو کتاب اللہ اور احادیث کی تصریحات سے جان لیتے تھے تو انہیں قیاس و اجتہاد کی ضرورت ہی کیا تھی۔ یہ خیال اس حد تک تو صحیح ہے کہ اجتہاد کی ضرورت عہد رسالت کے بعد ہوئی اور اہل اجتہاد نے اس منصب کو باقاعدہ عمدہ طور پر نبھایا بھی یہاں تک کہ مستقبل میں پیدا ہونے والے مسائل میں انہوں نے مسلمانوں کو مستقل اجتہاد سے مستغنی بھی کر دیا لیکن یہ سمجھنا کہ عہد رسالت میں اجتہاد کی کسی اعتبار سے نہ ضرورت تھی نہ ہی اجتہاد ہوا۔ صرف ایک تخمینی خیال ہے واقعہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

ہاں! اس موقع پر یہ سوال ہو سکتا ہے کہ اجتہاد و قیاس کیلئے کتاب وسنت کی بھرپور معرفت ایک بنیادی شرط ہے ''مسلم الثبوت'' میں ہے: ''شرائط الاجتھاد معرفۃ الکتاب متنا ومعنی وحکما ومعرفۃ السنۃ معنی وسندا'' الخ [فواتح الرحموت، ص۶۰۳]

یعنی کتاب اللہ کی عبارت و معنی اور حکم کا جاننا نیز احادیث رسول کے معنی و سند کا جاننا اجتہاد کے شرائط میں سے ہے تاکہ مجتہد کا اجتہاد کسی حکم منصوص کے خلاف نہ ہو، لہٰذا زمانہ رسالت میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہونی چاہیے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا بنفس نفیس تشریف فرما ہونا بمنزلہ نص ہے کہ تمام احکام شرع کا علم آپ سے حاصل ہو سکتا تھا تو اگر آپ کے ہوتے ہوئے قیاس یا اجتہاد کی اجازت دی جائے تو ایک بڑا فساد یہ لازم آئے گا کہ معرفت احکام کے قریب تر اور قوی ترین ذریعہ کو چھوڑ کر کسی ایسے طریقہ کا اختیار دیا جا رہا ہے جس میں احتمال خطا بھی موجود ہے۔

اس سوال پر معمولی غور کے بعد بھی یہ حقیقت کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ عہد رسالت میں اجتہاد کی اجازت دینے میں اس خرابی کا احتمال تو اس وقت ہوتا جب کہ احتمال خطا باقی رہ جاتا اور یہ بات قرین قیاس نہیں ہے کہ وحی کا سلسلہ جاری ہو اور خطائے اجتہاد پر تنبیہ نہ کی جائے۔

علاوہ ازیں وحی معرفت احکام کیلئے قوی ترین ذریعہ اسی وقت ہے جبکہ معرفت وحی کا موقع ہو اور حکم دریافت کرنے والے صحابی بارگاہ رسالت میں حاضر ہوں لیکن اگر صحابی بارگاہ رسالت سے اتنی بعید مسافت پر ہوں کہ مسئلہ دریافت کرنے کا انہیں موقع ہی نہ ملے تو ان کیلئے قوی

ترین اور قریب تر وسیلہ معرفت قیاس واجتہاد ہی ہے اور احتمالی خطا بھی مضر نہیں۔ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ عہد رسالت کے اجتہادات میں احتمال فساد سے تحفظ کے ساتھ ہی ساتھ صحابہ کرام کی اجتہادی تربیت کا عظیم فائدہ بھی مضمر ہے جس کے نتیجے میں فقہ کا مستقبل نہایت تابناک ہو گیا۔ اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے صاحب لیاقت صحابہ کرام کو مخصوص حالات میں اجتہاد کی اجازت دے رکھی تھی چنانچہ حضرت معاذ بن جبل، حضرت ابو موسیٰ اشعری اور حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو صراحتًا اجازت تفویض فرمائی [اصول السرخسی/ج:۲/ص:۱۳۰]

اجتہاد صحابہ: ہماری معلومات کے مطابق صحابہ کرام کی اجتہادی تربیت تین حصوں میں تقسیم کر دی گئی تھی: (۱) مشاورت (۲) اجتہاد بوقت ضرورت (۳) نصوص احکام کی تاویل۔ ان میں سے ہر ایک کی تفصیل ذیل میں درج کی جاتی ہے:

مشاورت: رسول اللہ ﷺ اصحاب رائے صحابہ سے بعض ایسے امور میں مشورہ فرماتے تھے جن سے حکم شرع بھی متعلق ہوتا تھا۔ قرآن حکیم میں اس مشاورت کا حکم اس طرح دیا گیا: ''وشاورهم في الامر'' قرآن حکیم کا یہ حکم اس بات کی دلیل ہے کہ بوقت مشاورت صحابہ کرام کو اپنے قیاس واجتہاد کی روشنی میں مشورہ دینے کا پورا حق حاصل تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ ان مشوروں میں سے کسی ایک ہی کو ترجیح دے کر ماسوا کو خطا یا غیر اولیٰ قرار دے دیا جاتا۔ چنانچہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت فرمایا کہ ان قیدیوں کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ آپ کی قوم وقبیلہ کے لوگ ہیں۔ میری رائے میں انہیں فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے اس سے مسلمانوں کو قوت بھی پہنچے گی اور کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو اسلام نصیب کرے۔ حضرت عمر سے دریافت فرمایا کہ تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں! قسم اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں میری وہ رائے نہیں جو ابو بکر کی ہے۔ یا رسول اللہ ﷺ یہ کفر کے سردار اور سرپرست ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ آپ ان پر ہمیں مقرر فرمائیں تو علی کو عقیل پر مسلط فرمائیں کہ وہ اس کی گردن ماریں اور مجھے میرے فلاں رشتہ دار پر مقرر فرمائیں کہ میں اس کی گردن ماررو ں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق کا قول پسند فرمایا یعنی فدیہ ہی لینے کی بات طے پائی اور جب فدیہ لیا گیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی: ''مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَكُوْنَ لَهُ أَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ (الی قولہ تعالیٰ) حَلٰلًا طَيِّبًا '' [الانفال:۶۷] کسی نبی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون خوب نہ بہائے۔

یونہی حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب مسلمان مدینہ طیبہ آئے تو جمع ہو کر نماز کا اندازہ لگا لیتے تھے۔ نمازوں کی اذان نہیں دی جاتی تھی۔ ایک دن صحابہ کرام نے اس سلسلہ میں مشورہ کیا، بعض نے کہا کہ عیسائیوں کے ناقوس کی طرح ناقوس بنالو، بعض نے کہا کہ یہود کے بگل کے مثل بگل بناؤ، تب حضرت عمر نے فرمایا کہ کسی کو نماز کی منادی کرنے کیلئے کیوں نہیں مقرر کر رہے ہو؟ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا: ''یا بلال! قم فناد بالصلوة '' [بخاری/ج:۱/ص:۸۵/مسلم/ج:۱/ص:۱۶۴]

اس مشاورت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے اجتہاد سے یہود ونصاریٰ کا طریقہ اعلان اختیار کرنا ناپسند فرمایا اور اعلان نماز کا مشورہ بھی اپنے اجتہاد سے دیا۔ پھر حضور نے اسے پسند بھی فرمایا۔

اجتہاد بوقت ضرورت: صحابۂ کرام کو کسی سفر میں یا کسی اور جگہ جہاں رسول اللہ ﷺ تشریف فرما نہ ہوتے فوری اجتہاد کی ضرورت پیش آتی کیونکہ بعد مسافت اور حکم کی عجلت کی وجہ سے انہیں فوراً دربار رسالت سے مراجعت کا موقع نہ مل پاتا تھا۔ اس لئے صحابۂ کرام کو ایسے مواقع پر اجتہاد کی اجازت تھی۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا والی اور قاضی مقرر کرتے وقت ارشاد فرمایا: ''جب تمہارے پاس کوئی مقدمہ آئے گا تو کس طرح فیصلہ کرو گے؟'' انہوں نے جواب دیا: ''کتاب اللہ سے۔'' فرمایا: ''اگر کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو!'' عرض کیا کہ: ''رسول اللہ ﷺ کی سنت سے۔'' فرمایا: ''اگر سنت میں بھی نہ پاؤ تو!'' عرض کیا کہ: ''اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں غفلت کو دخل نہ دوں گا۔'' معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (بطور تحسین) میرے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا کہ: ''اللہ کا شکر ہے کہ جس نے

رسول اللہ کے قاصد کو وہ توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے"

[ترمذی/ج:۱/ص:۱۵۹/باب ماجاء فی القاضی کیف یقضی/ابوداؤد/ص:۱۴۹/باب الاجتہاد]

اب ذیل میں بوقت ضرورت صحابہ کرام کے اجتہاد کی چند نظیریں پیش کرتے ہیں:

(۱) حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ غزوہ احزاب کے دن حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ کوئی بھی نماز عصر نہ پڑھے مگر قبیلہ بنی قریظہ میں، تو ابھی راستہ ہی میں تھے کہ وقت عصر ہو گیا۔ ان میں سے بعض نے کہا کہ ہم بنی قریظہ ہی میں پہنچ کر نماز پڑھیں گے۔ بعض نے کہا کہ ہم یہیں نماز پڑھیں گے۔ حضور اکرم ﷺ کی مراد یہ نہیں تھی کہ بنی قریظہ سے پہلے اگر وقت آ جائے تو بھی نہ پڑھنا۔ جب یہ بات رسول اللہ ﷺ سے ذکر کی گئی تو آپ نے کسی کو بھی ملامت نہ کی۔ [بخاری/ج:۲/ص:۵۹۱/کتاب المغازی]

جن صحابہ کرام نے راستہ میں نماز نہیں پڑھی تھی ان کا اجتہاد یہ تھا کہ یہاں 'نہی' حقیقت پر محمول ہے لہٰذا خروج وقت میں کوئی حرج نہیں اور وقت سے تاخیر کر کے نماز پڑھنے کی جو "نہی" وارد ہے وہ "نہی اول" ہے اور یہ "نہی ثانی" ہے اور "نہی ثانی" کو "نہی اول" پر ترجیح ہوتی ہے۔ گویا یہ نہی ایک مخصوص وقت کیلئے نسخ ہے اور وہ صحابۂ کرام جنہوں نے راستہ ہی میں نماز عصر ادا کر لی تھی ان کا اجتہاد یہ تھا کہ یہاں "نہی" حقیقت پر محمول نہیں ہے بلکہ بنی قریظہ کی جانب تیزی اور سرعت کے ساتھ پیش قدمی کرنے کا اشارہ و کنایہ ہے۔ اس اختلاف پر مطلع ہونے کے بعد سرکار دو عالم ﷺ نے کسی کو بھی ملامت نہیں فرمائی۔ یہ اس پر دلیل ہے کہ مجتہد پر کوئی گناہ نہیں خواہ مصیب ہو یا خاطی، بلکہ ان دونوں اجتہادات میں سے کسی ایک کا انکار نہ فرمانا اس بات کی بھی دلیل ہے کہ مجتہد کو اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کرنا واجب ہے۔ اگرچہ اس کے اجتہاد میں خطا واقع ہو کیونکہ قاعدہ کے مطابق اس موقع کے دونوں اجتہادوں میں سے ضرور ایک ہی صواب ہوگا اور دوسرا خطا، مگر چونکہ یہ حکم مخصوص موقع ہی کیلئے تھا اور وہ موقع باقی نہ رہا اس لئے رسول اللہ ﷺ نے کسی کی خطائے اجتہادی کا اظہار بھی ضروری نہ سمجھا لہٰذا یہاں اس سوال کی گنجائش نہیں کہ حضور نے کسی کی خطا کا اظہار کیوں نہیں کیا؟

(۲) حضرت ابو سعید خدری ﷺ فرماتے ہیں "دو شخص سفر میں گئے، نماز کا وقت آ گیا اور ان کے پاس پانی بھی نہ تھا، لہٰذا انہوں نے پاک مٹی سے تیمم کر کے نماز ادا کر لی۔ پھر وقت ہی میں پانی دستیاب ہو گیا تو ان میں سے ایک نے وضو کر کے نماز کا اعادہ کر لیا اور دوسرے نے اعادہ نہیں کیا۔ پھر حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر یہ ماجرا ذکر کیا تو جنہوں نے وضو کر کے اعادہ نہیں کیا تھا ان سے آپ نے فرمایا: "تُو نے سنت پالی اور تیری نماز صحیح رہی" اور جن صاحب نے وضو کر کے نماز کا اعادہ کر لیا تھا ان سے فرمایا: "تجھے دوہرا ثواب ہے۔"

اس حدیث میں ایک صحابی نے یہ اجتہاد کیا کہ تیمم کر کے نماز ادا کر لینے کے بعد وقت ہی میں پانی مل جانے پر وضو کر کے اعادہ نہیں ہے، کیونکہ آیت تیمم مطلق ہے۔ اس میں بعد ادائے صلوٰۃ پانی ملنے یا نہ ملنے کی کوئی شرط نہیں ہے۔ دوسرے صحابی کو یہ شبہ ہوا کہ تیمم کا جواز پانی نہ ملنے کی صورت میں ہے۔ گو اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ پورے وقت میں پانی ملنا متعذر ہونے کی صورت میں تیمم ہے، اس لئے تقاضائے احتیاط یہی ہے کہ نماز کا اعادہ کر لیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ نے اول کی تصویب کے ساتھ دوسرے کو بھی سراہا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ مجتہد کو جب دلیل سے واضح نتیجہ نہ ملے تو احتیاطی پہلو پر عمل کرے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ "مجتہد کو اگر دوہرا کام کرنا پڑے تو دوہرے اجر کا اس وجہ سے مستحق ہوا کہ اس نے دونوں عمل ایک ہی نیت سے کئے تھے" لکل امری ما نوی۔

(۳) حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں: "حضرت عمر بن خطاب ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کیا میں حالت جنابت میں پانی نہ پاؤں تو کیا کروں؟ میں نے حضرت عمر بن خطاب ﷺ سے کہا کہ اے امیر المومنین! کیا آپ کو یاد نہیں؟ کہ ہم اور آپ سفر میں تھے (اور ہم دونوں کو جنابت لاحق ہوئی) آپ نے نماز نہیں پڑھی اور میں نے مٹی میں خوب لوٹ لگائی پھر نماز ادا کر لی۔ میں نے حضور ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا: "تم کو اس طرح کافی تھا۔" پھر حضور نے اپنے دونوں مبارک ہاتھ زمین پر مارے اور ان پر پھونک ماری پھر انہیں منہ اور ہاتھ پر پھیر لیا۔ [بخاری/ج:۱/ص:۴۸/مسلم/ج:۱/ص:۱۶۱/ابوداؤد/

ج:۱/ص:۵۳/طحاوی/ج:۱/ص:۶۷]

اس حدیث سے واضح ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین قیاس واجتہاد کرتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس گمان پر توقف کیا کہ تیمم صرف وضو کا نائب ہے، جنابت کیلئے جائز نہیں اور حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ نے یہ قیاس فرمایا کہ وضو کے بدلے میں وضو ہی کی ہیئت پر تیمم کا حکم ہے تو غسل کے بدلے میں غسل ہی کی ہیئت پر تیمم ہوگا۔ لہٰذا اس بنیاد پر پورے جسم پر خاک مل لی لیکن سرکار نے اس پر سرزنش نہیں فرمائی۔ جس سے واضح وظاہر ہے کہ مجتہد کا اجتہاد اگر صواب و درست نہ ہوا سے ملامت نہ کی جائے گی اور اس اجتہاد پر عمل کرنے سے اعادہ بھی لازم نہیں۔ [فتح الباری/ج:۱/ص:۴۳۳/ عمدۃ اللمعات/ج:۱/ص:۲۶۳]

حدیث مذکور کی شرح میں امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں "اس حدیث سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں بھی صحابہ کرام کا اجتہاد واقع ہے۔ [فتح الباری/ج:۱/ص:۳۰۳]

نصوص احکام کی تاویل: اجتہاد کی تعریف اس طرح کی گئی ہے: "الاجتهاد بذل الطاقة من الفقيه في تحصيل حكم شرعي ظني" [مسلم الثبوت مع فواتح الرحموت/ص:۷۰۳] یعنی حکم شرعی ظنی کی تحصیل میں فقیہ کا پوری کوشش کرنا اجتہاد ہے۔ اس تعریف سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ احکام شرعیہ کے تعلق سے بعض نصوص قرآنیہ کی تاویل و تخصیص بھی اجتہاد ہی میں داخل ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ عہد رسالت میں صحابہ کرام سے اس طرح کے اجتہادات وقوع پذیر ہوئے ہیں یا نہیں؟ حالانکہ انہیں تفصیل وتاویل دریافت کرنے کے مواقع میسر تھے پھر بھی ان کے یہاں نصوص کی تاویلات کی مثالیں نظر آتی ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ انہیں کثرت سوال سے روک دیا گیا تھا۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے: "يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ" اے ایمان والو! ایسی باتیں نہ پوچھو جو تم پر ظاہر کی جائیں تو تمہیں بری لگیں۔ [المائدہ:۱۰۱]

لہٰذا یہ حضرات وقت ضرورت تاویل و تخصیص وغیرہ میں اجتہاد کا عمل جاری رکھتے تھے اور اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ اجتہادی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں انہیں ملکہ حاصل ہو جائے اور اس کام میں ان کی مکمل تربیت بھی ہو جائے کیونکہ بعض تاویلات کی تصویب بارگاہ رسالت سے ہو جاتی اور بعض کی خطا ظاہر کر دی جاتی اور بعض کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جاتا جو تصویب ہی کے زمرے میں آتی ہے۔

یہاں ذیل میں اب ہم صحابۂ کرام سے احکام شرعیہ سے متعلق تاویل نصوص کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔ ان مثالوں سے یہ بھی معلوم ہو جائے گا کہ نصوص قرآنیہ میں صحابہ کرام کی اجتہادی تاویلات میں سے کس کو بارگاہ رسالت سے تصویب ملی اور کس کو خطا قرار دیا گیا۔

(۱) حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: "غزوۂ ذات سلاسل کی ایک سرد رات مجھے احتلام ہو گیا۔ مجھے خوف ہوا کہ کہیں غسل کرنے سے ہلاک نہ ہو جاؤں۔ لہٰذا تیمم کر کے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھا دی۔ لوگوں نے حضور ﷺ سے اس بات کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا: "اے عمرو! تم نے جنابت کی حالت میں اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھا دی؟" میں نے غسل نہ کرنے کا سبب بیان کیا اور عرض پرداز ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد گرامی میں نے سنا ہے: "وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا" [النساء:۲۹] اپنی جانوں کو ہلاک مت کرو بیشک اللہ تم پر مہربان ہے۔ تو حضور اکرم ﷺ نے تبسم فرمایا اور کچھ کہا نہیں۔ [ابو داؤد/ج:۱/ص:۵۹]

یعنی عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے آیت کریمہ "وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ" کو عموم اطلاق پر جاری رکھ کر تیمم کا جواز اخذ کیا اور رسول اللہ ﷺ نے اس استنباط واجتہاد کو رد نہ فرمایا بلکہ تبسم فرمایا اور یہ استنباط اور اجتہاد کے صحت کی تائید و تصویب ہے۔ اس حدیث سے بالکل واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ عہد رسالت میں اجتہاد جائز تھا جیسا کہ اس حدیث کی شرح میں امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: "اور یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ نبی ﷺ کے زمانے میں اجتہاد جائز تھا۔"

(۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک سفر میں گئے تو ہم میں سے ایک شخص کو پتھر لگنے سے سر میں زخم ہو گیا پھر اسے احتلام ہو گیا تو اس نے ساتھیوں سے دریافت کیا کہ کیا تم میرے لئے تیمم کی اجازت پاتے ہو؟ ان لوگوں نے کہا تمہارے لئے تیمم کی اجازت نہیں پاتے۔ تم پانی پر قادر ہو۔ لہٰذا انہوں نے غسل کیا جس کی وجہ سے ان کی وفات ہو

گئی۔ جب ہم حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ کو اس واقعہ کی خبر دی گئی۔ آپ نے فرمایا: "انہیں خدا غارت کرے، اُسے انہوں نے مار دیا جب جانتے نہ تھے تو پوچھ کیوں نہ لیا۔ کیونکہ بے علمی کا علاج پوچھ لینا ہی ہے۔ اسے تیمم کافی تھا اور اپنے زخم پر کپڑا لپیٹ کر اس پر ہاتھ پھیر لیتا اور باقی جسم دھوڈالتا۔" [ابوداؤد/ج:۱/ص:۵۶]

جن لوگوں نے زخمی صحابی کو غسل کا حکم دیا تھا انہوں نے آیت کریمہ "فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا" "تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمم کرو، کا مطلب اپنے اجتہاد سے یہ اخذ کیا کہ آیت کے ظاہر الفاظ کا معنی یہ ہے کہ جواز تیمم کیلئے پانی کا نہ ملنا شرط ہے اور جب تک پانی موجود ہے تو انہیں تیمم کی اجازت نہیں مل سکتی۔ اس اجتہاد کا حاصل یہ ہے کہ "لَمْ تَجِدُوْا مَآءً" کا یہی معنی لے کر زخمی صحابی کو غسل کا حکم دیا تھا۔ رسول ﷺ نے اس تاویل کو رد فرمادیا کہ پانی نہ ہونے ہی کے ساتھ تیمم کا جواز خاص نہیں بلکہ اگر پانی موجود ہو مگر استعمال میں ہلاکت یا مرض کا پورا خطرہ بھی ہے تو بھی تیمم جائز ہے۔ یعنی لَمْ تَجِدُوْا مَـآءً" سے لغوی معنی مراد نہیں ہے پانی پر قدرت نہ ہونا مراد ہے۔ خواہ اسکی وجہ یہ ہو کہ پانی مفقود ہے یا یہ کہ پانی کے استعمال سے شدت مرض یا ہلاکت کا خطرہ ہے۔ چنانچہ حضرت عمرو بن عاص نے بھی یہی سمجھا تھا اور حضور نے اپنے تیمم سے اس کی تائید بھی فرمادی تھی۔ صحابۂ کرام سے اس قسم کے اجتہادات کی مثالیں حدیث کی کتابوں کو تلاش کرنے کے بعد وافر مقدار میں جمع کی جاسکتی ہیں۔

صحابہ کی اجتہادی تربیت کے ضمن میں خود رسول اللہ ﷺ کی وہ احادیث بھی پیش کی جاسکتی ہیں جن میں احکام شرع کا بیان اجتہاد کے انداز میں کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں دو حدیثیں بطور ثبوت ذکر کرتے ہیں:

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ جہینہ کی ایک عورت نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میری ماں نے حج کی نذر مانی تھی مگر وہ حج نہ کرسکی اور اس کا انتقال ہو گیا تو کیا میں اس کی طرف سے حج کرسکتی ہوں؟ تو سرکار نے فرمایا: "اس کی جانب سے حج کرو، بتاؤ کہ اگر تمہاری ماں پر کوئی قرض ہوتا تو کیا تم اسے ادا نہ کرتیں؟ تو اللہ کا فریضہ ادا کرو کہ (اوروں سے) ادائیگی میں اللہ کا حق ظاہر ہے۔[بخاری شریف/ج:۱/ص:۲۵۰] حج بدل کی ادائیگی واجب ہونے پر رسول اللہ ﷺ نے دَین (قرض) کو بطور نظیر ذکر فرمایا کہ جو کام اپنے ذمہ آئے اس کی ادائیگی لازم ہوتی ہے جیسے لوگوں کا قرض تو اللہ کا جو قرض بندے پر ہے اس کی ادائیگی اور زیادہ اہم ہے۔

(۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں نے نشاط میں روزہ کی حالت میں بوسہ لے لیا پھر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضری دی اور عرض کیا کہ آج مجھ سے ایک بہت بڑی بات ہو گئی ہے کہ روزہ کی حالت میں میں نے بوسہ لے لیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "تم بتاؤ کہ اگر روزہ کی حالت میں پانی سے کلی کر لیتے تو کیا ہوتا۔ میں نے عرض کیا اس میں کوئی حرج نہیں تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تو اس میں کیوں (حرج ہوگا۔) [طحاوی/کتاب الصوم/ج:۱/ص:۳۲۳] بوسہ کے مفسد صوم نہ ہونے پر پانی سے کلی کرنے کو بطور نظیر پیش فرمایا کہ جس طرح پانی سے کلی کرنا روزہ کے فساد کا سبب نہیں ہے اسی طرح منہ سے بوسہ لے لینا بھی مفسد صوم نہیں۔ علت مشترکہ یہ ہے کہ دونوں میں منافئ صوم (کھانا پینا اور جماع) کا معنی نہ پایا گیا۔

کبھی کبھی رسول اللہ ﷺ بیان نظائر کے ساتھ ساتھ احکام کا ذکر اسی لئے فرماتے تھے کہ باصلاحیت صحابہ کو نظائر وعلل کے ذریعہ اجتہاد کرنے کا طریقہ ہاتھ آجائے، بارگاہ رسالت کی کامیاب ترین تربیت سے فیضیاب ہونے والے صحابۂ کرام نے عہد رسالت کے بعد تمام نئے پیدا ہونے والے مسائل میں بے انکار نکیر اجتہاد وقیاس سے کام لیا اور اپنے تلامذہ واصحاب کو باضابطہ اجتہاد کی تربیت بھی دی جس کا سلسلہ فقہ کی تدوین وتہذیب، تفصیل وتبویب اور اصول استنباط کے تعین تک پہنچا اور احکام شرع کے اصول وفروع کا عظیم ترین خزانہ اجتہاد ہی کی بدولت پردۂ غیب سے منصۂ شہود پر آیا۔ اگر رسول اللہ ﷺ کے عہد مقدس میں اجتہاد کی تربیت نہ دی گئی ہوتی تو اجتہاد کی شرعی راہیں متعین کرنا تقریباً متعذر رہتا۔ بالفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ عہد رسالت میں صحابہ کا اجتہاد کرنا اجتہاد کے دلیل شرعی ہونے کا علمی ثبوت بھی ہے اور بعد والوں کیلئے اجتہاد کے قواعد وشرائط کی قیمتی دستاویز بھی ہے۔

☆......☆......☆......☆......☆

ہمارے اسلاف رضی اللہ عنہم

مولانا نفیس احمد مصباحی

امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ

سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے علمی مقام اور گوناگوں دینی وعلمی خدمات کو اجاگر کرنا اور اقوام عالم کے سامنے رکھنا ہم حنفیوں کی مذہبی اور اخلاقی ذمہ داری ہے اور وقت کا تقاضا بھی۔ کیونکہ ''اسلاف بے زار مٹھی بھر جماعت'' نے ائمہ مجتہدین خصوصاً امام اعظم رضی اللہ عنہ کے تعلق سے بے سروپا باتیں وضع کرلی ہیں اور انہیں بنیاد بنا کر شب وروز اس پروپیگنڈہ میں مصروف ہے کہ مذہب حنفی کتاب وسنت کے خلاف صرف قیاس اور رائے کی کمزور اور غیر اسلامی بنیادوں پر قائم ہے۔ اس مٹھی بھر جماعت کے افراد بخاری ومسلم کی چند حدیثیں رٹ کر ''رٹو طوطے'' کی طرح ہر جگہ موقع بے موقع انہی کو دہراتے ہیں اور ''اہل حدیث'' ہونے کا دم بھرتے ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر ''مجتہد مطلق'' اور عظیم الشان تابعی امام کی تقلید کو شرک، بدعت اور نہ جانے کیا کیا ٹھہراتے ہیں جبکہ حضرت امام کے صدیوں بعد پیدا ہونے والے افراد مثلاً ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن عبدالوہاب نجدی، میاں نذیر حسین دہلوی، نواب صدیق حسن خاں قنوجی، عبدالرحمٰن مبارکپوری، ناصرالدین البانی اور عبداللہ بن باز کی باتیں آنکھ بند کرکے بے چون وچرا مانتے اور ان پر عمل کرتے ہیں اور ہم مقلدوں سے کہیں آگے بڑھ کر ''کورانہ تقلید'' کا عملی ثبوت پیش کرتے ہیں۔ ہر ہوش مند انسان یہ جانتا ہے کہ ہم (احناف) اس باعظمت امام کی تقلید کرتے ہیں جن کے زمانے سے عہد رسالت کا فاصلہ ایک صدی سے بھی کم ہے جن کی دینی اور علمی عظمتوں کا ایک جہان معترف ہے جن کی علمی رفعتوں کی بشارت اور پیشن گوئی خود حدیث نبوی میں موجود ہے اور جنہوں نے فقہ کے اصول اور فروع کی تدوین فرما کر بعد میں آنے والے علما اور فقہا اور پوری امت مسلمہ پر زبردست احسان فرمایا ہے۔ جبکہ یہ اسلاف بے زار لوگ، ان لوگوں کے مقلد ہیں جن کے زمانے اور عہد رسالت کے درمیان صدیوں کا فاصلہ ہے اور سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں جن کی کوئی دینی وعلمی حیثیت نہیں۔

اس عنوان کے دو بنیادی جز ہیں: (۱) حضرت امام اعظم کا علمی مقام (۲) آپ کی اجتہادی خدمات۔

اب میں حضرت امام کی بارگاہ میں اس امید کے ساتھ محبتوں کی سوغات لئے حاضر ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس نیک اور مقبول بندے کے فیوض وبرکات سے مجھ حقیر کو بھی بہرہ ور فرمائے گا اور میرے لئے دنیا وآخرت کی سعادتوں اور فیروزمندیوں کا سامان کرے گا۔

احب الصالحین و لسبت منهم لعل الله یرزقنی صلاحا

میں تو خود نیک نہیں (مگر) نیکوں سے اس امید پر محبت کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ (ان کی برکت سے) مجھے بھی نیک بنادے۔

نام اور نسب: آپ کا اسم گرامی ''نعمان'' کنیت ''ابوحنیفہ'' اور آپ کے والد کا نام ثابت ہے۔ آپ کا خاندان ابتدا کابل میں آباد تھا۔ آپ کے دادا جن کا نام بعض تذکرہ نگاروں نے زوطی اور بعض نے زوطی لکھا ہے، جنگ میں گرفتار ہوکر کوفہ آئے اور مسلمان ہوکر یہیں بنی تیم اللہ کی ولاء میں رہ پڑے۔ ان کا پیشہ تجارت تھا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ان کی ملاقات ہوئی اور اس حد تک تعلقات تھے کہ وہ کبھی کبھی ان کی خدمت میں ہدیے بھیجتے رہتے تھے۔ [مناقب الامام الاعظم للکردری] ان کے بیٹے ''ثابت'' بھی کوفہ میں تجارت کرتے تھے۔ خود سیدنا امام اعظم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ میں ان کے والد کی روٹیوں کی دوکان تھی۔ [مناقب الامام الاعظم للموفق بن احمد]

ولادت ووفات: امام اعظم رضی اللہ عنہ کے سن ولادت کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ آپ کی ولادت ۷۷ھ میں ہوئی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ قاضی ابوعبداللہ حسین بن علی یسمری (متوفی ۴۳۶ھ) نے بہ سند متصل احمد بن الصلت سے [اخبار ابی حنیفہ واصحابہ] اور امام ابن عبدالبر نے بہ سند متصل ابوجعفر محمد بن عمرو اور عبداللہ بن جعفر رازی

اور محمد بن سماعہ سے امام اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کے سب سے عظیم شاگرد امام ابو یوسف کی یہ روایت نقل کی ہے: ''میں نے ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ: میں ۹۳ھ میں اپنے والد کے ساتھ حج کو گیا اس وقت میری عمر ۱۶ سال تھی، میں نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جس کے پاس لوگوں کا زبردست ہجوم تھا، میں نے والد صاحب سے پوچھا کہ: یہ بوڑھے بزرگ کون ہیں؟ انہوں نے کہا: یہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں۔ ان کا نام عبداللہ بن حارث بن جزء ہے، پھر میں نے دریافت کیا: ان کے پاس کیا ہے؟ تو والد صاحب نے بتایا کہ ان کے پاس وہ حدیثیں ہیں جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنی ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ مجھے ان کی بارگاہ میں لے چلیں تاکہ میں بھی ان سے حدیث سن لوں۔ یہ سننے کے بعد والد صاحب آگے بڑھے اور لوگوں کی بھیڑ چیرتے ہوئے چلے۔ اس طرح میں ان کے قریب پہنچ گیا اور میں نے ان سے سنا کہ وہ کہہ رہے تھے: ''اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: جس شخص نے دین کی بصیرت (سمجھ) حاصل کرلی اللہ تعالیٰ اس کا اور اس کی فکروں کا نگہبان ہوجاتا ہے اور اسے اس طرح روزی دیتا ہے جو اس کے شان وگمان میں بھی نہیں ہوتا۔''

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ ۹۳ھ میں امام اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کی عمر ۱۶ سال تھی۔ جس سے واضح طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آپ کی ولادت ۷۷ھ میں ہوئی۔ ابن خلکان نے ''وفیات الاعیان'' میں آپ کی وفات کے بارے میں اختلاف کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ آپ کی وفات رجب کے مہینے میں ہوئی اور کہا گیا ہے کہ شعبان کے مہینے میں ہوئی اور سال وفات ۱۵۰ھ ہے اور کہا گیا ہے کہ جمادی الاول کی گیارہ تاریخ تھی اور ایک قول یہ بھی ہے کہ سن وفات ۱۵۳ھ ہے لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ [وفیات الاعیان] اس طرح وفات کے وقت آپ کی عمر تراسی (۸۳) سال تھی کیونکہ آپ کی ولادت ۷۷ھ اور وفات ۱۵۰ھ ہے۔

تحصیل علم: تعلیم کے متعلق ان کا اپنا بیان یہ ہے کہ ابتدا میں انہوں نے قرأت، حدیث، نحو، ادب، شعر اور کلام وغیرہ ان تمام علوم کا مطالعہ کیا تھا جو اس زمانے میں رائج اور متداول تھے [مناقب الامام الاعظم للموفق بن احمد المکی] اس کے بعد آپ نے علم کلام میں مہارت پیدا کی اور ایک مدت تک اس میں مصروف رہ کر اتنا کمال پیدا کرلیا کہ اس فن میں ان کی طرف نگاہیں اٹھنے لگیں۔ ان کے مشہور شاگرد زفر بن ہذیل رحمۃ اللہ علیہ کی روایت ہے کہ امام اعظم نے ان سے کہا: ''پہلے میں علم کلام سے دلچسپی رکھتا تھا اور اس حد کو پہنچ گیا تھا کہ میری طرف اشارے کئے جاتے تھے۔'' [ایضاً]

موفق بن احمد المکی نے یحییٰ بن شیبان کے حوالے سے حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ بیان نقل کیا ہے: ''میں ایک ایسا شخص تھا جسے علم کلام کی بحثوں میں مہارت حاصل تھی۔ ایک زمانہ ایسا گزرا کہ میں ان ہی بحثوں اور مناظروں میں مشغول رہتا تھا اور چونکہ مباحثے اور مناظرے کرنے والے لوگ زیادہ تر بصرہ میں تھے اس لئے میں بیس سے زیادہ مرتبہ بصرہ گیا۔ کبھی کبھی سال چھ مہینہ بھی وہاں رہ کر خوارج کے مختلف گروہوں اباضیہ، صفریہ اور حشویہ سے مناظرے کرتا رہا۔ میں علم کلام کو سب سے اعلیٰ علم سمجھتا تھا اور دل میں کہتا تھا کہ یہی اصل دین ہے۔ ایک مدت کے بعد دل میں یہ خیال آیا کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین سے یہ باتیں پوشیدہ نہیں تھیں جن میں ہم مباحثے کرتے ہیں۔ وہ حضرات ان باتوں کو جانتے ہوئے ان کی طرف راغب نہیں ہوئے بلکہ ان باتوں سے منع ہی کیا اور میں نے یہ بھی دیکھا کہ وہ حضرات دین کے مسائل اور ابواب فقہ میں غور وخوض کرتے تھے۔ اسی میں ان کی گفتگو ہوتی تھی اور اسی میں ان کی مجلسیں ہوا کرتی تھیں اور وہ اسی کی تعلیم وتربیت دیا کرتے تھے۔ اسی میں ان کے مناظرے ہوا کرتے تھے اور اسی حالت میں صحابہ کا دور ختم ہوا اور ان کی پیروی تابعین نے کی ہے۔ جب ہم پر یہ بات عیاں ہوگئی تو ہم نے مناظرے چھوڑ دیئے اور علم کلام میں غور وخوض کرنا چھوڑ دیا۔ سلف صالحین کا طریقہ اختیار کیا اور اصحاب معرفت کی صحبت میں بیٹھے۔ [ایضاً]

اس بیان سے صاف ظاہر ہے کہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے ابتدا میں علم کلام میں کمال پیدا کیا اور اس علم کے ارباب اختصاص اور اصحاب کمال میں آپ کا شمار ہونے لگا۔ اس سے یہ نتیجہ بھی نکلتا ہے کہ آپ نے اس وقت فلسفہ ومنطق اور مذاہب کے اختلافات کے متعلق بھی کافی واقفیت حاصل کرلی تھی کیونکہ ان علوم پر دسترس حاصل کئے بغیر کوئی انسان علم کلام میں کمال حاصل نہیں کرسکتا۔ بعد میں انہوں نے فقہ کی تدوین

''الالقاب'' میں حضرت قیس بن سعد بن عبادہ ﷺ سے ان الفاظ میں روایت کی ہے: ''اگر علم ثریا پر آویزاں ہوتا تب بھی کچھ ابنائے فارس اسے حاصل کر لیتے۔'' امام جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب ''تبییض الصحیفة فی مناقب الامام ابی حنیفة'' (ص ۴۷۳) پر اس طرح کی روایتیں جمع کی ہیں اور لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان احادیث میں امام ابوحنیفہ کے تعلق سے بشارت دی ہے۔

علامہ سیوطی کے شاگرد ''سیرت شامی'' کے مصنف علامہ محمد بن یوسف شامی نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ علامہ محمد بن عابدین شامی ''ردالمحتار'' میں لکھتے ہیں: ''مواہب لدنیہ'' کے شبراملسی کے حاشیہ میں ہے کہ علامہ سیوطی کے شاگرد علامہ شامی نے کہا: وہ جس پر ہمارے شیخ نے یقین کیا ہے کہ ابوحنیفہ ہی اس حدیث سے مراد ہیں بالکل ظاہر ہے کہ اس میں کچھ شک وشبہ نہیں اس لئے کہ ابنائے فارس میں سے کوئی بھی ان کے درجہ تک نہیں پہنچا۔ [ردالمحتار]

علامہ ابن حجر ہیتمی مکی شافعی اسکی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''یہ نبی کریم ﷺ کا کھلا ہوا معجزہ ہے کہ آئندہ ہونے والی بات کی خبر دی۔'' [الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ابی حنیفة النعمان]

حدیث کی ان بشارتوں سے امام اعظم ابوحنیفہ ﷺ کے علمی مقام ومرتبہ کی بلندی آفتاب نیم روز کی طرح نظر آتی ہے جس کا اعتراف نہ صرف ان کے مقلدین اور متبعین نے کیا ہے بلکہ دوسرے ائمہ مجتہدین بھی کھلے دل سے اس کا اعتراف کرتے نظر آتے ہیں جس کی ایک جھلک آپ نے ابھی ملاحظہ فرمائی، مزید تفصیل آگے آئے گی۔ آپ کے علمی مقام کی بلندی کی سب سے واضح دلیل یہ ہے کہ آپ کی ذات میں ایک مجتہد کے سارے اوصاف کامل طریقے پر موجود تھے۔ تمام اہل علم نے آپ کو ''مجتہد مطلق'' مانا ہے۔ اب مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ان اوصاف وشرائط کو ذکر کر دیا جائے جو ایک مجتہد کیلئے ضروری ہے تاکہ یہ حقیقت کھل کر سامنے آجائے کہ اس مجتہد مطلق، مجتہدوں کے سرخیل، فقہ واجتہاد کے امام اعظم کا علمی مقام کتنا بلند ہے۔

شرائط اجتہاد: امام غزالی لکھتے ہیں کہ مجتہد کیلئے ایک شرط یہ ہے کہ اس کا علم تمام علوم شرعیہ کا احاطہ کئے ہوئے ہو اور وہ غور وفکر سے حکم شرعی معلوم کر سکتا ہو اور یہ جانتا ہو کہ مسائل کے استنباط میں کون سے علوم مقدم ہیں اور کون سے علوم موخر ہیں۔ دوسری شرط یہ ہے کہ وہ نیک اور پرہیزگار ہو اور وہ گناہوں سے اجتناب کرنے والا ہو جو اس کی بدنامی کا باعث اور پرہیزگاری کے خلاف ہوں۔ شرعی علوم میں کتاب اللہ، سنت رسول، اجماع اور وہ علوم عقلیہ ہیں جن کی مدد سے استدلال کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے۔

کتاب اللہ کے علم سے یہ مراد نہیں کہ قرآن مجید کی تمام آیتوں کا علم ہو بلکہ ان آیتوں کا علم ضروری ہے جن کا تعلق احکام سے ہے اور وہ پانچ سو آیتیں ہیں اور یہ بھی ضروری نہیں کہ وہ پانچ سو آیات حفظ ہوں بلکہ اسے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ وہ آیات قرآن مجید میں کہاں کہاں ہیں تاکہ ضرورت کے وقت ان کو تلاش کر سکے۔ اسی طرح حدیث کا عالم ہونے سے یہ مراد نہیں کہ وہ تمام احادیث مرویہ کا حافظ ہو بلکہ یہ ضروری ہے کہ احکام سے متعلق احادیث کا اسے علم ہو، مثلاً سنن ابو داؤد یا سنن بیہقی میں کن احکام سے متعلق حدیثیں ہیں اور مجتہد کیلئے ضروری ہے کہ اسے معلوم ہو کہ کس حکم سے متعلق حدیث سنن ابوداؤد یا سنن بیہقی میں کس جگہ مذکور ہے تاکہ ضرورت کے وقت وہ حدیث تلاش کر سکے۔ اجماع کا علم ہونے سے یہ مراد ہے کہ مجتہد کو اس کا علم ہو کہ اس سے پہلے کن کن مسائل پر اجماع ہو چکا ہے تاکہ اس کا حکم خلاف اجماع نہ ہو یا اس کو یہ علم ہو کہ یہ مسئلہ اس زمانے میں پیدا ہوا ہے اور اس سے پہلے اس پر اجماع نہیں تھا۔ علوم عقلیہ سے مراد یہ ہے کہ مثلاً ایجاب صغریٰ اور کلیت کبریٰ شکل اول کے نتیجہ دینے کی شرط ہے۔ اسی طرح (قیاس کی) باقی تینوں شکلوں کی شرطیں بھی وہ جانتا ہو تاکہ نتیجہ تک پہنچنے میں غلطی نہ کرے۔ کتاب وسنت کے علم کیلئے کچھ علوم مشترک ہیں جن کا مجتہد کو جاننا ضروری ہے۔ ان میں سے لغت، نحو، صرف اور علم بلاغت ہے، یہ ضروری نہیں ہے کہ مجتہد ان علوم میں زمخشری، اصمعی، خلیل اور سیبویہ کی طرح ہو بلکہ ضروری یہ ہے کہ اس کو ان علوم میں اس قدر مہارت ہو کہ وہ قرآن اور حدیث کے معنی، عربی اسلوب کے مطابق صحیح طور پر سمجھ سکے۔ مجتہد کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عقائد کے دلائل سے واقف ہو، یہاں تک کہ وہ عقلی دلائل سے عالم کا حادث ہونا، اللہ

تعالیٰ کا موجود ہونا اور اس کا واجب الوجود اور ایک ہونا ثابت کر سکے اور ضرورت نبوت، قرآن مجید کی وجہ اعجاز اور نبی اکرم ﷺ کی نبوت اور ختم نبوت، عقلی اور نقلی دلائل سے ثابت کر سکے تا کہ مسائل کلام وعقائد میں اس کا علم مقلد سے ممتاز ہو۔ لغت، صرف ونحو، علم بلاغت اور علم کلام کے علاوہ مجتہد کیلئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کلام صریح، کلام مجمل، حقیقت، مجاز عام، خاص، محکم، متشابہ، مطلق، مقید وغیرہ کا بھی عالم ہو۔ ان علوم کے علاوہ مجتہد کیلئے کتاب وسنت کے ناسخ اور منسوخ کا علم بھی ضروری ہے اس لئے کہیں وہ ایسا حکم نہ بیان کر دے جو قرآن یا حدیث میں منسوخ ہو چکا ہو۔

یہ تو وہ علوم تھے جو کتاب وسنت میں مشترک ہیں اور کچھ علوم وہ ہیں جو سنت (حدیث) کے ساتھ خاص ہیں۔ جن کی وجہ سے اسے صحیح اور غیر صحیح روایت اور مقبول اور نہ مقبول حدیث کے درمیان تمیز ہو سکے۔ اسی طرح اس کیلئے علم درایت حدیث اور علم اسماء الرجال کا حاصل کرنا بھی ضروری ہے تا کہ اسے حدیث کے راویوں کی معرفت اور ان کی عدالت کا علم ہو سکے۔ [المستصفی] (ملخصا)

علامہ آمدی الاحکام فی اصول الاحکام للعلامہ سیف الدین الآمدی اور علامہ بزدوی، الموافقات للعلامہ ابراہیم بن موسیٰ الشاطبی نے بھی مجتہد کی یہی شرائط بیان کی ہیں۔ امام غزالی نے مذکورہ بالا تفصیل شرائط اجتہاد لکھنے کے بعد یہ صراحت بھی کی ہے۔

''ہم نے اجتہاد کی شرائط میں جو علم قرآن، علم حدیث، علم اصول قرآن، علم اصول حدیث، علم اسماء الرجال، علم اجماع، علم استدلال، علم لغت ونحو اور عقائد کے ضروری مسائل کی جانکاری ہونے کا ذکر کیا ہے یہ شرط مجتہد مطلق کیلئے ہے جو تمام شرعی احکام میں اجتہاد کرتا ہے۔ مجتہد کیلئے یہ شرطیں نہیں کہ وہ ہر مسئلہ کا جواب دے سکے، کیوں امام مالک علیہ الرحمۃ سے چالیس مسائل پوچھے گئے جن میں سے چھتیس کے بارے میں انہوں نے کہا: ''میں نہیں جانتا۔'' امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی بہت سے مسائل میں توقف کیا بلکہ صحابہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی بہت سے مسائل میں توقف کیا تو جس کا اسے علم ہو اس میں فتویٰ دے اور جس کا علم نہ ہو اس میں توقف کرے۔'' [المستصفی] (ملخصا) ان تصریحات کی روشنی میں یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے آئی کہ مجتہد کیلئے قرآن وحدیث اور ان کے متعلقات کا زبردست علم ضروری ہے اور سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ شرائط اجتہاد کے جامع کامل تھے۔ اس کا عملی ثبوت وہ ہزاروں شرعی اور قانونی مسائل ہیں جو ان کے اجتہاد کے نتیجہ میں منقح ہو کر سامنے آئے۔

امام اعظم اور قرآن کریم: امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو قرآن کریم سے حد درجہ شغف تھا، آپ قرآن مجید کے حافظ تھے، کثرت سے قرآن کی تلاوت فرماتے تھے اور نماز میں قرآن مجید ختم کیا کرتے تھے۔ قاضی ابو عبداللہ صیمری نے خارجہ بن مصعب کے حوالے سے لکھا ہے کہ آپ نے ایک رکعت میں قرآن مجید ختم فرمایا ہے۔ [اخبار ابی حنیفہ واصحابہ] حضرت خارجہ بن مصعب کہتے ہیں: خانہ کعبہ میں چار اماموں نے پورا قرآن مجید ختم کیا ہے۔ حضرت عثمان بن عفان، حضرت تمیم داری، حضرت سعید بن زبیر، حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

حضرت یحییٰ بن نصر کہتے ہیں: ''کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ امام ابوحنیفہ صرف رمضان کے مہینہ میں ساٹھ مرتبہ قرآن مجید ختم کرتے تھے۔''

مذکورہ بالا روایت سے خوب واضح ہو گیا کہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا تلاوت قرآن سے بڑا گہرا لگاؤ تھا۔ وہ قرآن سے شرعی احکام کا استنباط بھی فرماتے تھے اور کثرت سے تلاوت بھی فرماتے تھے۔

امام اعظم اور حدیث: اوپر شرائط اجتہاد کے بیان میں گزرا کہ ایک مجتہد کیلئے دیگر اسلامی علوم کے ساتھ علم حدیث میں بھی مہارت ضروری ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ علم حدیث میں مرتبہ کمال پر فائز تھے یہ اور بات ہے کہ انہوں نے وقت کے تقاضے کے پیش نظر روایت حدیث کی طرف زیادہ توجہ نہیں دی بلکہ ان سے مسائل کا استخراج فرما کر امت مسلمہ کیلئے آسانیاں پیدا فرما دیں۔ قیامت تک آنے والے مسلمانوں کی مشکلات حل فرما دیں۔ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ وہ زمانہ ہے جس میں حدیث کا درس شباب پر تھا، تمام بلاد اسلامیہ میں اس کا درس زور وشور سے جاری تھا اور آپ کا وطن کوفہ تو اس خصوص میں ممتاز تھا۔ علم حدیث میں اس شہر کا امتیاز امام محمد بن اسمٰعیل بخاری کے دور تک باقی رہا۔ اسی لئے موصوف اتنی بار کوفہ گئے کہ خود فرمایا کہ میں کوفہ کتنی بار گیا شمار نہیں کر سکتا۔

امام ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ نے حدیث کی تحصیل کی ابتدا اپنے وطن کوفہ سے کی، کوفہ میں کوئی ایسا محدث نہ تھا جس سے آپ نے حدیث کا علم حاصل نہ کیا ہو۔ ابوالمحاسن شافعی ہیں مگر انہوں نے کھلے لفظوں میں اعتراف کیا ہے کہ ترانوے وہ مشائخ ہیں جو کوفے کے رہنے والے تھے یا کوفہ میں تشریف لائے جن سے امام اعظم نے حدیث اخذ کی۔ امام اعظم کے مشائخ حدیث میں امام شعبہ بن حجاج بھی ہیں۔ انہیں دو ہزار حدیثیں یاد تھیں۔ امام سفیان ثوری نے انہیں ''امیر المؤمنین فی الحدیث'' کہا ہے۔ امام شافعی نے فرمایا: ''اگر شعبہ نہ ہوتے تو عراق میں حدیث اتنی عام نہ ہوتی۔'' ۱۶۰ھ میں ان کا وصال ہوا۔ جب سفیان ثوری کو ان کی وفات کی خبر پہنچی تو فرمایا آج علم حدیث مر گیا۔ امام شعبہ کو حضرت امام اعظم سے قلبی لگاؤ تھا۔ غائبانہ ان کی ذہانت اور نکتہ رسی کی تعریف کرتے رہتے۔ ایک بار امام اعظم کا ذکر آیا تو امام شعبہ نے فرمایا: ''جس طرح مجھے یقین ہے کہ آفتاب روشن ہے اسی یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ علم اور ابوحنیفہ ہم نشیں ہیں۔''

امام بخاری کے استاذ حضرت یحییٰ بن معین سے کسی نے امام اعظم کے بارے میں پوچھا کہ ان کے بارے میں آپ کی رائے کیا ہے؟ تو فرمایا: اس قدر کافی ہے کہ شعبہ نے انہیں حدیث روایت کرنے کی اجازت دی۔ شعبہ آخر شعبہ ہی تھے۔'' [عقود الجمان]

کوفہ کے علاوہ حضرت امام نے بصرہ کے محدثین سے حدیثیں حاصل کیں۔ اس وقت بصرہ بھی علم و فضل خصوصاً علم حدیث کا بہت اہم مرکز تھا۔ یہ شہر بھی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بسایا تھا اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ شہر مرکز حدیث بن گیا تھا۔ علامہ ذہبی جیسے علم حدیث کے ماہر نے دوسرے اور تیسرے دور میں جن عظیم شخصیتوں کو محدث کا خطاب دیا ہے وہ بصرہ یا کوفہ کے رہنے والے یا یہاں اکثر آمد و رفت رکھنے والے تھے۔ جب امام اعظم نے ان دونوں مراکز سے ہزاروں ہزار احادیث حاصل کیں مگر امام اعظم ہونے کیلئے ابھی اور بہت کچھ ضرورت باقی تھی، یہ کمی حرمین طیبین سے پوری فرمائی۔ یہ گزر چکا کہ آپ نے پہلا سفر حج ۹۶ھ میں کیا تھا اور آپ نے اپنی عمر میں پچپن حج کئے۔ ۱۵۰ھ میں آپ کا وصال ہوا تو اس سے ثابت ہوا کہ ۹۶ھ کے بعد کسی سال حج ناغہ نہ ہوا۔ اس لئے حرمین طیبین کی حاضری کم از کم ۹۶ھ کے بعد ۵۵ بار مسلسل بلا ناغہ ہوئی۔ اس عہد میں حضرت عطا بن رباح مکہ معظمہ میں سرتاج محدثین تھے۔ یہ تابعی تھے۔ ۲۰۰ صحابہ کرام کی صحبت کا شرف انہیں حاصل تھا۔ خصوصاً حضرت ابن عباس، ابن عمر، اسامہ، جابر، زید بن ارقم، عبداللہ بن سائب، عقیل بن رافع، ابو درداء اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے احادیث سنی تھیں۔ یہ محدث ہونے کے ساتھ بہت عظیم مجتہد بھی تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ عطا کے ہوتے ہوئے لوگ میرے پاس کیوں آتے ہیں؟ ایام حج میں حکومت کی طرف سے اعلان عام ہو جاتا تھا کہ عطا کے علاوہ اور کوئی فتویٰ نہ دے۔ اساطین محدثین، امام اوزاعی، امام زہری، امام عمر بن دینار انہیں کے تلمیذ خاص تھے۔ امام اعظم جب ان کی خدمت میں تلمذ کیلئے حاضر ہوئے تو حضرت عطا نے ان کا عقیدہ پوچھا۔ امام اعظم نے کہا: میں اسلاف کو برا نہیں کہتا، گنہگاروں کو کافر نہیں کہتا، تقدیر پر ایمان رکھتا ہوں۔ اس کے بعد عطا نے آپ کو حلقہ درس میں شامل کر لیا۔ دن بدن حضرت امام کی ذکاوت و فطانت روشن ہوتی گئی۔ جس سے حضرت عطا ان کو اپنے قریب سے قریب تر کرتے گئے۔ یہاں تک کہ حضرت عطا دوسروں کو ہٹا کر حضرت امام اعظم کو اپنے پہلو میں بٹھاتے۔ حضرت امام جب مکہ حاضر ہوتے تو اکثر حضرت عطا کی خدمت میں حاضر رہتے۔ ان کا وصال ۱۱۵ھ میں ہوا تو ثابت ہوا کہ تقریباً بیس سال ان سے استفادہ کرتے رہے۔

مکہ معظمہ میں حضرت امام نے وقت کے ایک اور امام حضرت عکرمہ سے علم حاصل کیا۔ عکرمہ سے کون واقف نہیں۔ یہ حضرت علی، ابن عمر، عقبہ بن عمرو، صفوان، جابر، ابوقتادہ، ابن عباس رضوان اللہ علیہم اجمعین کے شاگرد ہیں۔ تفسیر و حدیث میں تقریباً ستر مشہور ائمہ تابعین ان کے شاگرد ہیں۔ جب حضرت امام اعظم مدینہ طیبہ میں حاضر ہوئے تو فقہائے سبعہ میں سے دو بزرگ باحیات تھے۔ ایک سلیمان جن کا دوسرا نمبر تھا۔ یہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے غلام تھے۔ دوسرے حضرت سالم جو حضرت فاروق اعظم کے پوتے اور حضرت عبداللہ بن عمر کے صاحبزادے تھے۔ حضرت امام اعظم نے خصوصیت سے ان

دونوں اماموں سے احادیث اخذ کیں۔ ان کے علاوہ دوسرے ائمہ احادیث سے بھی فیض پایا۔ [نزہۃ القاری]

علامہ ابن حجر ہیتمی شافعی نے لکھا ہے کہ ''حضرت امام اعظم نے چار ہزار مشائخ سے جو کہ ائمہ تابعین تھے اور دوسرے حضرات سے حدیثیں اخذ کی ہیں۔ اسی بنا پر علامہ ذہبی اور دوسرے علماء نے حضرت امام کا شمار محدثین کے طبقہ حفاظ میں کیا ہے۔'' پھر آگے لکھتے ہیں: ''جس نے یہ خیال کیا کہ آپ حدیث کا بہت کم اہتمام کرتے تھے اس نے تساہل سے کام لیا یا حسد کی بنا پر یہ بات کہی ہے یہ بات ایسے شخص کے متعلق کیسے صحیح ہو سکتی ہے جس نے بیشمار مسائل کا استنباط فرمایا ہو اور دلائل کے ذریعہ مخصوص طریقہ استنباط میں پہلا شخص ہو۔ جس کا بیان اس کے اصحاب نے اپنی تالیفات میں کیا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ وہ مسائل کے استخراج و استنباط کے کام میں مصروف تھے۔ اس لئے ان کی روایتیں نہیں پھیلیں جس طرح حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی روایتیں ان کی مصروفیات کی وجہ سے کم ہوئیں کہ یہ حضرات عام مسلمانوں کے فلاح و بہبود کے کاموں میں مصروف تھے۔ اس کے برخلاف ان صحابہ کی روایتیں زیادہ پھیلیں جو عمر اور علم دونوں میں ان سے کم تھے۔ یہی حال امام شافعی اور امام مالک کا ہے کہ ان کی روایتیں ان افراد سے کم ہیں جو صرف احادیث روایت کرنے کا کام کرتے تھے جیسے ابوزرعہ اور ابن معین۔ کیونکہ حضرت امام مالک اور امام شافعی مسائل کے استنباط میں مصروف رہتے تھے۔ پھر یہ بھی واضح رہے کہ روایت حدیث بغیر درایت کے بہت زیادہ قابل تعریف نہیں ہے۔ علامہ ابن عبدالبر نے اس کی مذمت میں ایک باب قائم کیا ہے۔'' [الخیرات الحسان]

حضرت امام اعظم کے عظیم ترین محدث ہونے کی سب سے بڑی اور سب سے روشن دلیل فقہ حنفی ہے۔ فقہ حنفی کے کلیات و جزئیات کو اٹھا کر دیکھئے جن جن ابواب اور جن جن مسائل میں صحیح اور غیر مؤول، غیر منسوخ، کتاب اللہ کے غیر معارض احادیث ہیں وہ سب فقہ حنفی کے مطابق ہیں۔ اس کی تصدیق کیلئے امام طحاوی کی معانی الآثار، علامہ بدر الدین کی عمدۃ القاری شرح بخاری، علامہ کمال الدین ابن ہمام کی فتح القدیر، شرح ہدایہ، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی فتح المنان فی تائید مذہب النعمان، اور لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ مصابیح، اور ملا علی بن سلطان قاری کی مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح کا مطالعہ کیا جائے اور کچھ خلجان رہ جائے تو اعلیٰ حضرت امام احمد رضا بریلوی قدس سرہ کے مجموعہ فتاویٰ ''العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ'' کا مطالعہ کیا جائے تو میرے دعوے کی حرف بہ حرف تصدیق ہو جائے گی۔

اللہ تعالیٰ آپ کی قبر انور پر قیامت تک رحمت و نور کی موسلا دھار بارش برسائے اور آپ کو آپ کی ان خدمات جلیلہ کا وہ بدلہ عطا فرمائے جو اس کی شان کریمی کے لائق ہے۔

......☆ایصال ثواب☆......

حضرت علی ﷜ سے روایت ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ: جو شخص قبروں پر گذرا اور اس نے سورۂ اخلاص کو ۱۱ مرتبہ پڑھا پھر اس کا ثواب مردوں کو بخشا تو اس کو مردوں کی تعداد کے برابر ثواب ملے گا۔

شرح الصدور

سیدی اعلیٰ حضرت

ڈاکٹر محمد مالک

امام احمد رضا رضی اللہ عنہ اور جدید میڈیکل سائنس

قرآن حکیم علوم ومعارف اور خزائن وعرفان کا منبع و سرچشمہ ہے۔ یہ ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ جس میں کائنات کے تمام علوم پنہاں و پوشیدہ ہیں۔ قرآنی فہم وادراک رکھنے والا ایسے علوم کی نشاندہی کرسکتا ہے اور جو بارگاہ رب العزت سے خصوصی انعام یافتہ ہو وہ بدرجہ اتم قرآنی علوم ومعارف کے ایسے انکشافات کرلیتا ہے جو ہر کس وناکس کی دانش و بینش سے ماورا ہیں۔ ایسی ہی ایک باولایت ہستی مفکر اسلام علامہ امام احمد رضا خان قادری بریلوی قدس سرہ کی ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے خصوصی انعامات اور علوم ومعارف سے نوازا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج علوم دینیہ اور علوم جدیدہ سے منسلک بڑے بڑے علماء و دانشور اور ملکی و غیر ملکی یونیورسٹیز کے ریسرچ اسکالرز امام احمد رضا کے علمی دانش کدہ میں گم ہیں اور علامہ امام بریلوی کی ہمہ جہت شخصیت وعالمگیر اسلامی خدمات پر بڑی بڑی ڈگریاں (M.Phil اور Ph.D) حاصل کرنے پر فخر محسوس کرتے ہیں اور بین الاقوامی کانفرنسوں اور سیمیناروں میں مفکر اسلام کی کتابوں کے حوالے پیش کرتے ہیں۔

مفکر اسلام پر عطائے الٰہی کی ایسی نوازشات کا اگرچہ ہم احاطہ تو نہیں کرسکتے تاہم علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ جدید سائنسی علوم پر ان کی نادر نگارشات انعامات الٰہیہ کا پتہ ضرور دیتی ہیں اور جدید علوم پر ان کی کامل دسترس اور حیرت انگیز تحقیق کو آشکار کرتی ہیں۔ مفکر اسلام کا علوم قدیم وجدید پر کامل عبور جہاں اعلیٰ ذہن اور ارفع شخصیت کا گواہ ہے وہاں پر عالم اسلام کیلئے اسلام کی حقانیت کو ثابت کرتے ہوئے قابل فخر بھی ہے۔ مفکر اسلام علامہ امام بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے میڈیکل سائنس کے مشکل اور مخصوص شعبہ پر کلام کیا ہے اور بڑی وضاحت کے ساتھ اسلامی نظریات کی حقانیت کو ثابت کرکے قرآن وحدیث کی عظمت کو برقرار رکھا ہے اور اسلامی حدوں کے محافظ کی حیثیت سے یہاں تک ثابت کیا ہے کہ سائنس کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس کا قرآن وحدیث میں مفصل یا اشارتاً کوئی ذکر موجود نہ ہو نیز مفکر اسلام نے مریض کی عیادت اور دیکھ بھال کے اس عالمی پیغام محبت کو اپنی نادر تصانیف میں بڑی شدومد سے واضح کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ مریض سے محبت اور حسن سلوک اسوۂ حسنہ کی ایسی بے نظیر مثالیں ہیں جسے کوئی دوسرا مذہب پیش نہیں کرسکتا۔

جدید امبریالوجی اور امام احمد رضا رضی اللہ عنہ: ''الصمصام علی مشکک فی ایۃ علوم الارحام (۱۳۱۵ھ)'' میڈیکل سائنس کے موضوع پر مفکر اسلام امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ عظیم اسلامی خدمت اپنی مثال آپ ہے۔ ایک طرف یہ رسالہ پادری کے سوال کا رد بلیغ ہے تو دوسری جانب اسلام کی دائمی حقانیت کو ثابت کرتے ہوئے سائنسی بنیادوں پر عالم اسلام کیلئے رہنمائی کرتا ہے اور ساتھ ہی دور حاضر کے مسئلے کا لاجواب حل بھی ہے۔ اس رسالے کا پس منظر بھی کسی کا استفسار ہے یعنی سو برس قبل آپ سے ایک فتویٰ پوچھا گیا کہ: ایک پادری کا کہنا ہے کہ قرآن میں ہے کہ پیٹ کا حال کوئی نہیں جانتا کہ بچہ ذکور (لڑکا) ہے یا اناث (لڑکی) ہے حالانکہ ہم نے ایک آلہ نکالا ہے۔ جس سے سب حال معلوم ہوجاتا ہے اور پتہ ملتا ہے۔

اس کے جواب میں مجدد اعظم، فقیہہ عالم، مفکر اسلام علامہ امام بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم امہ کی نمائندگی کرتے ہوئے نہایت مدلل انداز میں یہ علمی، تحقیقی اور مبسوط وبے مثال رسالہ تحریر فرمایا۔

مفکر اسلام نے اس رسالہ میں ابتدائً نفس مضمون سے متعلق سات قرآنی آیات مبارکہ پیش کی ہیں۔

مفکر اسلام نے اس رسالہ میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وبرتری (supermacy) کو بڑے شدومد کے ساتھ بیان کیا ہے۔

مفکر اسلام نے اس رسالہ میں مخلوق کے علم کو عطائے الٰہی ثابت کرتے ہوئے قرآنی حوالہ جات پیش کئے ہیں۔

مفکر اسلام نے اس رسالہ میں جدید سائنسی ریسرچ کو محدود نہیں کیا بلکہ تحقیق کی راہ کو آنے والی نسلوں کیلئے برقرار و بحال رکھا ہے مگر اسلامی سرحدوں کی مکمل حفاظت و پاسداری کی ہے۔

مفکر اسلام کا یہ رسالہ گرچہ خالص اسلامی نوعیت کا ہے مگر اس رسالہ میں جدید سائنسی علوم کا استعمال اجمالاً یا تفصیلاً ملتا ہے مثلاً

(۱) Genetics جنیات (۲) Modern Embryology جدید علم جنین (۳) Physics طبعیات (۴) Topology (ریاضی) (Math) علم مقامات (۵) Geometry علم ہندسہ (۶) Astronomy علم ہیئت وفلکیات (۷) Astrology علم نجوم (۸) Zoology (Biology) علم حیوانیات (۹) Philosophy and Logic فلسفہ اور منطق (۱۰) Grammar گرائمر (صرف ونحو)

مفکر اسلام نے اس رسالہ میں ایک جگہ لکھا ہے کہ قرآن نے کسی جگہ فرمایا ہے کہ کوئی بھی کسی مادہ کے حمل کو کسی تدبیر سے اتنا نہیں معلوم کر سکتا کہ نر (Male) ہے یا مادہ (Female) اگر کہیں ایسا فرمایا تو نشان دو اس لئے پادری کو یا تو بے فہمی محض ہوئی ہے یا حسب عادت دیدہ دانستہ کلام الٰہی پر افترا و تہمت ہے۔

مفکر اسلام نے مذکورہ رسالہ میں ایک جگہ لکھا ہے کہ اگر جدید تجربات کے بعد کوئی آلہ بتا دیتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں لڑکی ہے یا لڑکا تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں۔ پہلے بھی مجربین اس قسم کے قیاسات پیش کرتے رہے ہیں۔ ایسا علم بھی عطائے الٰہی سے ہے جو اس آلے سے حاصل ہو جاتا ہے۔

مفکر اسلام کا یہ رسالہ صحیح اسلامی نظریات وحقائق کی روشنی میں آنے والی نسل کیلئے رہنمائی کرتا ہے اور بالعموم عوام الناس اور بالخصوص جدید تعلیم سے تعلق رکھنے والے اشخاص کے مضطرب اذہان کو دور حاضر کے پیچیدہ اور نازک مسئلے کا جامع اور اطمینان بخش جواب مہیا کرتا ہے۔ ایسی علمی اور نادر تحقیق بلا شبہ امام موصوف کے رہبر عالم اسلام ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔

چودھویں صدی میں مفکر اسلام علامہ امام احمد رضا نے رہبر عالم اسلام کی حیثیت سے مسلم امہ کی نمائندگی و رہنمائی کا پورا حق ادا کیا ہے اور قرآنی استدلال پیش کر کے خالص میڈیکل کے مضمون Embryology پر بحث کی ہے۔ آپ نے میڈیکل Embryology کے بارے میں بعض ایسے انکشافات کیے ہیں کہ میڈیکل سائنس کے ماہرین داد دیئے بغیر نہ رہ سکے۔

مفکر اسلام چونکہ عطائے الٰہی سے قرآنی علوم و معارف سے آگاہ ہیں اس لئے قرآن ہی سے میڈیکل امبریالوجی کے موضوع پر نفیس بحث فرماتے ہیں۔

قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، ترجمۂ کنز الایمان:

”تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ میں بناتا ہے ایک طرح کے بعد اور طرح، تین اندھیروں میں، یہ ہے اللہ تمہارا رب، اسی کی بادشاہی ہے اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں، پھر کہاں پھرے جاتے ہو۔“ [الزمر:۶]

کنز الایمان کی تفسیری حاشیہ خزائن العرفان پر مذکورہ تین اندھیریاں یوں درج ہیں: (۱) ایک اندھیری پیٹ کی (۲) دوسری رحم کی (۳) تیسری بچہ دان کی

جدید تحقیق کے مطابق یہ تین اندھیرے (three viels of darkness) یہ ہیں:

(1) Amniotic Membrane

(2) Uterine Wall

(3) Abdominal Wall (Anterior)

مفکر اسلام اپنی تصنیف ”الصمصام“ میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ جنین پر تین اور پردے ہوتے ہیں۔ لفظ جنین کے لغوی معنی یہ ہیں:

پیٹ کا بچہ، وہ بچہ جو رحم مادر میں ہو، ادھورا بچہ، مضطرہ (لغات)

میڈیکل کی اصطلاح میں جنین سے مراد Embryo ہو سکتا ہے یا پھر Fetus

Embryonic Period تین ہفتے تا آٹھ ہفتے تک کی نشوونما کا عرصہ

Fetal Period تین مہینے تا پیدائش تک کی نشوونما کا عرصہ

اگر جنین سے مراد Embryo لیا جائے تو یہ پردے کچھ یوں ہیں:

Embyonic Period:

Ectodermal Germinal Layer

Mesodermal Germinal Layer

Endodermal Germinal Layer

اگر جنین سے مراد Fetus لیا جائے تو یہ پردے یوں ہیں:

Fetal Layers:

Amniotic Fluid

Aminotic Membrane

Chorion

ان پردوں کی وضاحت وتفصیل سے مراد مفکر اسلام کی یہ ہے کہ بچہ ماں کے پیٹ میں کتنے پردوں اور تہوں میں محفوظ ہوتا ہے اور بظاہر ایسی صورت نہیں کہ لڑکی یا لڑکا کے فرق کو معلوم کیا جا سکے یا اس کا جسم مکمل طور پر بذریعہ آلہ (Ultrasound Machine) نظر آ جائے۔ اس وضاحت کے بعد مفکر اسلام سابقہ تجربات کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ پہلے بھی تجربہ کار لوگ مختلف قیاسات وعلامات سے فرق معلوم کر لیا کرتے تھے لہٰذا جدید تجربات کے بعد اگر کوئی آلہ (Ultrasound Machine) وغیرہ ایجاد ہوا ہے جو لڑکی لڑکے کے فرق کا پتہ دیتا ہے تو یہ کوئی نئی بات نہیں ہے اس قسم کے آلہ کا وجود ممکن ہو سکتا ہے لیکن یہ آلہ صرف بعض ظاہری علامات کے فرق کو ظاہر کرتا ہوگا۔

امام احمد رضا اور جینکس: مفکر اسلام کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی عنایات سے نوازا تھا اور علوم ومعارف کا بے بہا خزانہ عطا فرمایا تھا۔ عشق رسالت کے فیضان یافتہ اس بطل جلیل نے خداداد صلاحیت سے مختلف مواقع پر ان علوم کا استعمال فرمایا اور دور حاضر کے ہر مسئلہ پر قلم اٹھایا اور محققین و ماہرین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بڑے بڑے اسکالرز امام احمد رضا کے علمی دانش کدہ کو قابل فخر سمجھتے ہیں اور اس کو علم لدنی قرار دیتے ہیں۔

مفکر اسلام کی Genetics پر علمی تحریر کو جدید ریسرچ کی روشنی میں پرکھا جائے تو یہ بحث آج کل Genetic Control of Protein Synthesis Cell Function and Cell Reprogucation کے زمرے میں آتی ہے۔ (بحوالہ: 8th Edition
(Chapter No.3 Page-25, Gytons Physiology

امام احمد رضا اور جدید سائنس: مفکر اسلام علامہ امام احمد رضا نے جدید سائنسی تحقیقات کو بحال رکھتے ہوئے آلہ (Ultrasound Machine) کو عقل انسانی کا کرشمہ بتایا اور اللہ تعالیٰ کی عطا کو بنیاد قرار دیا ہے بلکہ سو برس قبل اس عبقری زمانہ نے آلے کی ساخت کو فزکس کے جدید اصولوں کے تحت قلمبند فرمایا۔ اس سے مفکر اسلام کے ذہن کی سائنسی اپروچ (Scientific Approach) فزکس پر کامل مہارت اور جدید انجینئرنگ اور ٹیکنالوجی کے حوالے سے علمی تجربہ کا پتہ چلتا ہے۔ مفکر اسلام نے ایک صدی قبل خداداد صلاحیت سے الٹراساؤنڈ مشین کی ساخت کو فزکس کے قوانین انعکاس نور (Law of Reflection of light) اور انعطاف نور (Law of Refraction of Light) کی بنیاد پر بیان کیا ہے۔ مفکر اسلام علامہ احمد رضا کی یہ ایجاد آنے والی نسل کیلئے نہ صرف دعوت فکر ہے بلکہ قابل فخر بھی ہے۔

امام احمد رضا کی جذام پر تحقیق: جذام ایک قدیم جلدی (skin) اور اعصابی تاروں (peripheral nerves) کی بیماری ہے۔ اس میں مبتلا مریض کو انتہائی حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مفکر اسلام علامہ احمد رضا خان رحمۃ اللہ علیہ نے اس بیماری پر اسلامی نظریات پر مبنی جو تحقیق (الحق المتجلی فی حکم المبتلی) کی ہے اس سے مریض سے نفرت کے بجائے علاج ومعالجہ اور دیکھ بھال کا شعور پیدا ہوا ہے اور اسی نظریے کی تائید اب جدید میڈیکل ریسرچ نے کی ہے۔ سابقہ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ جذام ایک متعدی مرض ہے۔ رضوی تحقیق نے اسلامی نظریات کو واضح کرتے ہوئے جذام کو غیر متعدی قرار دیا ہے۔ آج جبکہ جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے سالہا سال کی محنت شاقہ اور تحقیق وتجربات سے اس بات کی تصدیق ہوتی ہے کہ اب جذام متعدی بیماری نہیں رہی بلکہ قابل علاج مرض ہے۔ تناسب کے اعتبار سے جذام 70% غیر متعدی اور 30% متعدی بھی غیر متعدی ہو جاتی ہے اگر بروقت اور صحیح علاج ہو۔

قابل غور بات یہ ہے کہ چند عرصہ قبل کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج اور میو ہسپتال لاہور کے آڈیٹوریم میں لیپروسی (جذام) سیمینار میں

جب ایک انگریزی پروفیسر نے انکشاف کیا کہ جدید تحقیق کے مطابق جذام اب متعدی بیماری نہیں بلکہ 70% غیر متعدی اور 30% متعدی ہے تو راقم نے وہاں برملا مفکر اسلام کی جذام پر تحقیق کو واضح کیا جسے تمام ماہرین نے سراہا۔

اب یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی ہے کہ میڈیکل سائنس جذام کے متعلق جو نظریہ آج رکھتی ہے یہی نظریہ مفکر اسلام علامہ امام احمد رضا سو برس قبل اسلامی نظریات کی روشنی میں اپنی تصنیف میں واضح کر چکے تھے۔ مسلم امہ کیلئے بالخصوص اور پوری انسانیت کیلئے بالعموم آپ کی یہ حیرت انگیز تحقیق قابل فخر رہے گی۔

امام احمد رضا کی طاعون پر تحقیق: طاعون ایک قدیم، انتہائی خطرناک وبائی مرض ہے جس سے ماضی میں لاکھوں انسانی جانیں ضائع ہوئیں اور اس کا خوف اب تک مسلط ہے۔ یہ بھی ایک قابل علاج مرض ہے۔ وبا کی روک تھام کا قانون آج بھی یہی ہے کہ طاعون زدہ افراد متاثرہ علاقے سے نہ جائیں اور تندرست لوگ متاثرہ علاقہ میں نہ آئیں۔ یہ بیماری چوہوں کے پسوؤں کے ذریعہ انسان میں منتقل ہوتی ہے پھر وبا کی صورت میں انسانیت کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے اور اموات واقع ہوتی ہیں۔

مفکر اسلام نے میڈیکل سائنس کے اس موضوع پر 90 برس قبل ایک علمی کتاب "تیسیر الماعون لسکن فی الطاعون" تصنیف فرمائی اور احادیث مبارکہ کی روشنی میں طاعون سے متعلق اسلامی نظریات کو واضح کیا۔ ساتھ ہی تکلیف اور بیماری کی حالت میں مریض سے حسن سلوک، بھائی چارہ، قربانی اور محبت و اخوت کے اسلامی پیغام و تعلیمات سے آگاہ کیا۔

حدیث پاک میں ہے: "طاعون سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے اور طاعون سے بھاگنے والے کو میدان جنگ سے بھاگنے والا قرار دیا گیا ہے اور جو اس میں صبر کرتا رہے اس کیلئے شہید کا ثواب ہے۔"

ارشاد الساری شرح صحیح البخاری میں ہے: ترجمہ: "طاعون سے نہ بھاگو کیونکہ طاعون سے بھاگنا تقدیر الٰہی سے بھاگنا ہے، تاکہ تمہارے مریض صحیح دیکھ بھال اور تمہارے مُردے تجہیز و تکفین نہ ہونے کی بنا پر ضائع نہ ہو جائیں۔"

رضوی تحقیق اور جدید میڈیکل سائنس کے نظریات آپس میں مطابقت رکھتے ہیں لیکن مفکر اسلام نے اسلامی موقف کی وضاحت محبت و اخوت کی لافانی تعلیمات سے دی ہے اور اسلامی نظریات کی مکمل حفاظت و پاسداری کی ہے۔ خدمت انسانیت کا یہ اعلیٰ نمونہ ہمیشہ قابل فخر رہا ہے اور رہے گا۔

......☆مصافحہ☆......

امام احمد و ترمذی اور ابن ماجہ نے براء ابن عازب ﷛ سے روایت کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: جب ۲ مسلمان مل کر مصافحہ کرتے ہیں تو جدا ہونے سے پہلے ہی ان کی مغفرت ہو جاتی ہے۔

بخاری شریف میں حضرت عبد اللہ ابن مسعود ﷛ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کا دست مبارک (مصافحہ کے وقت) ان کے دونوں ہاتھوں کے درمیان ہوتا یعنی ہر ایک کا ہاتھ دوسرے کے دونوں ہاتھوں کے درمیان میں ہوتا۔